www.novelsclubb.com
فراق
ستارہ زمان
ناولز کلب
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

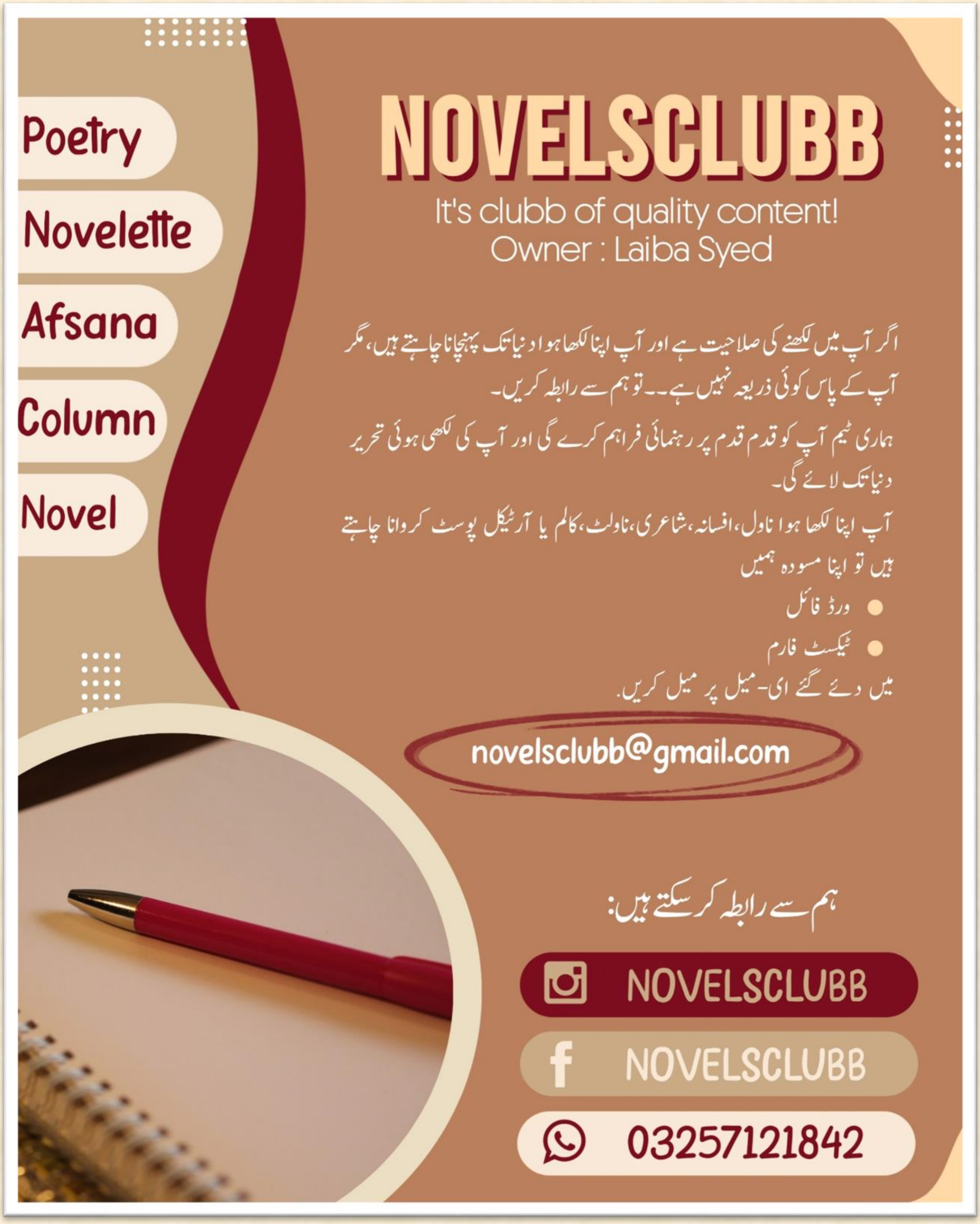

Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

فراق

از قلم

ستارہ زمان

Clubb of Quality Content!

انتساب

اس ذاتِ حق کے نام،، جو باطل سے خوب آگاھہ ہے،،

"اور اسے مٹانے کی قوت رکھتا ہے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"فراق...."

از قلم ستارہ زمان"

انتساب

اس ذاتِ حق کے نام،، جو باطل سے خوب واقف ہے،

"اور اسے مٹانے کی قوت رکھتا ہے"

Clubb of Quality Content!

باب پانچواں

جریع"

جریع یعنی زخمی گھایل۔

بعض اوقات ہمیں کچھ ایسے زخم ملتے ہیں۔ جو ہم کسی کو بتا نہیں پاتے اور اگر بتاتے بھی ہیں تو کوئی ہمارہ یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ کبھی کبھار ہم خود پر لگے الزامات سے بری ہو جاتے ہیں۔ کچھ لوگ معاف کر دیتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جنہوں نے تماشائی بن کر ہر ایک نظارہ کیا ہوتا ہے۔ وہ لوگ نہ خود کچھ بھولتے ہیں اور نہ ہی ہمیں بھولنے دیتے ہیں۔

کبھی کبھار ہم ہیل کر جاتے ہیں۔ آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ہمیں لگتا ہے کہ ہمارے زخم بھر چکے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ کوئی ایک لفظ کوئی ایک بات حتی کہ ذرہ سی خوشبو بھی ہمیں ماضی میں واپس لے جا کر ان زخموں کو ادھیڑ دیتے ہیں۔ اور پھر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم تو کبھی اس وقت سے اس لمحے سے باہر نکل ہی نہیں سکے تھے۔ درد تو آج بھی بالکل ویسا ہی ہے۔ قلب تو آج بھی جریع ہے۔

اکتوبر کی آخری راتیں، یخ ہوائیں، آشیانہ ڈھونڈتے ہوئے پرندے، ہلکی ہلکی دھندھ، گھر کی چھت اور اس پر گرما گرم بھاپ اڑاتی کڑک چائے، اور ساتھ بیٹھا ایک غمخوار۔ان سب کے علاوہ کسی کو اور کیا ہی چاہیئے ہوتا ہے۔اور اس وقت یہ سب نعمتیں جیسے میسر تھی وہ تھی "گلریزابرار میر۔" اور سامنے بیٹھا "ساحل اختر خان.." کہنے کو دو الگ لوگ، دو الگ خاندان۔ لیکن ان دونوں سے پوچھو تو ایک ہی جواب ملے گا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کا خاندان ہیں، ایک ایسا خاندان جہاں خون کی مجبوری نہیں، دوستی جیسی منافقت نہیں، خاندان سے ہونے والا کینہ نہیں، کوئی بدگمانی نہیں، نفرت نہیں، اگر کچھ تھا تو ایک اٹوٹ رشتہ، ایک دوسرے کی طاقت اور سہارہ بیک وقت۔

"تم نے حسن بھائی سے پوچھا نہیں کہ وہ انسان کون تھا جو تمہیں لے گیا۔" چائے کے بھرے مگ پر انگلی پھیرتے ہوئے ساحل بولا۔

میں پوچھنا چاہتی تھی لیکن نہیں پوچھ سکی۔وہ کہنا چاہتی تھی کہ حسن اس وقت ایک جریح تھا۔وہ زخمی تھا۔رورہا تھا تکلیف میں تھا اسے یوں دیکھ گل کے دماغ میں کوئی سوال آیا ہی نہیں۔لیکن وہ نہیں کہہ سکی یہ راز تھا اس کے اور حسن کے درمیان

کیا تم کچھ اور جانتی ہو۔وہ کسی گھری سوچ میں لگتا تھا

افففف نہیں ساحل میں کچھ نہیں جانتی اور تم اب اپنی تفتیش بند کرو۔وہ اس کے سوالوں سے اکتائی

اگر کچھ معلوم ہو تو مجھے بتانا۔

ہاں ہاں بتادوں گی۔وہ بے حد ہلکے پھلکے موڈ میں تھی۔ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں

وہ ابھی کچھ اور کہتا کہ سیڑھیوں سے ایک ملازمہ ہاپتی ہوئی آئی۔بیبی جی وہ آپ کو نیچے بلا رہے ہیں۔دولڑکیاں۔۔۔آپ آجائیں۔وہ موٹی سی خاتون اتنی سیڑھیاں چل کر بے حال ہوگئی تھی۔دل ہی دل بیبی جی کو جتنا کوسا وہ الگ بات تھی

اچھا اچھا میں آرہی ہوں۔وہ اس کی آدھی بات سمجھ کر بولی۔

وہ چلی گئی۔ پیچھے ساحل اکیلا رہ گیا۔ کون تھا؟ کیوں تھا؟ کیسے آیا تھا؟ کس نے بھیجا تھا؟ اس نے زیر لب ایک ایک سوال دہرایا۔

"مجھے ایسا کیوں لگا کہ میں ان سوالوں کے جواب جانتا ہوں..." ایک مردانہ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ ساحل نے ناگواری سے گردن ہلائی۔

ابھی نہیں پلیز۔۔۔۔۔"

★★★____

وہ ڈرائینگ روم میں آئی تو وہ دونوں اسے دیکھ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

Clubb of Quality Content

کیسی ہو بلیک ؟ان دونوں نے ایک ساتھ ہی سوال کیا

گل نے لب بھینچ لیئے۔ دل ہی دل نیچے آنے پر خود کو ڈھیروں لعنتوں سے نوازہ

حسن انہی کے ساتھ بیٹھا تھا وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا_ تم لوگ باتیں کرو، میں آتا ہوں۔ وہ کہہ کر جانے لگا_ گل نے بھی اسے نہیں روکا معاملہ دوستی کا تھا۔ اور گل کو مان رکھنے آتے تھے

کیوں آئی ہو تم لوگ یہاں ؟اس کا سرخ ہوتا چہرہ اس کے غصے کی نوعیت بتا رہا تھا

ہم تم سے ملنے آئیں ہیں یار۔پریشان سی سوہانی بولی

مجھے بہت دیر سے حقیقت معلوم ہوئی گل۔سوری۔۔۔۔زلیخا شرمندہ تھی

گل نے آنکھیں گھمائیں۔"ٹھیک ہے۔اٹس اوکے۔"بہت ہی تحمل سے کہہ کر وہ جانے کیلئے مڑی

ان دونوں نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا۔انہیں حیرانی نہیں ہوئی وہ ایسا ہی کرے گی انہیں اندازہ تھا۔سوہانی دوڑ کے اس کے آگے کھڑی ہوئی۔"دیکھو بلیک اگر ہم اس وقت تمہیں سب کچھ بتا دیتے تو کیا تم ہمارہ یقین کرتی"

مجھے بیچ میں مت گھسیٹو۔میں لاعلم تھی۔اس کی بات پر زلیخا چلائی۔میں شروع سے کچھ نہیں جانتی تھی

گل نے ہاتھ سینے پر باندھ لیئے۔اور تاسف سے سوہانی کو دیکھنے لگی

چپ کرو گی تم۔سوہانی چلائی تھی۔

تم سے دوستی کرنے سے پہلے میں سب جانتی تھی۔ سوہانی نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا جسے گل جھٹک گئی۔ بوس سے ریسٹورنٹ میں ملوانا بھی پلین میں شامل تھا، وہ ہچکچائی۔ لیکن یار ہم اچانک سے تمہیں سب کچھ نہیں بتا سکتے تھے پلیز بات کو سمجھو بلیک۔اس کے چہرے پر منت سجی تھی۔آنکھوں میں ڈھیر شرمندگی

گل نے دانت بھینچے، مجھے تم لوگوں کی صفائیاں نہیں چاہیئے تم لوگوں نے میرے ساتھ دوکھا کیااور اب اس کی صفائیاں مت دو۔ وہ کہنا چاہتی تھی لیکن بولی تو بس اتنا۔ "ٹھیک.. میں سمجھ گئی۔" آنکھوں میں بھرے انگاروں کو حلق میں اتارتے ہوئے اس نے لہجے کو نرم رکھا

سوہانی بس اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی۔ وہ ایک بہترین دوست کھو چکی تھی۔

زلیخا نے بازو سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا۔ "پاگل ہو گئی ہو کیا۔ ہم سے ناراض ہو تو لڑو۔ چلاؤ ہم پر۔ لیکن یوں۔۔۔۔ میں تمھاری جان لے لوں گی گل۔" آخر میں اس کا ضبط ٹوٹا۔ یہ گل اسے غیر لگی تھی۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے کیا کرے

"اور کیا کروں میں ؟ تم لوگ مجھ سے معافی مانگ رہی ہو میں نے معاف کر دیا۔ سوہانی کہہ رہی ہے کہ میں اس کی سیچویشن کو سمجھوں ٹھیک ہے میں نے سمجھ لیا۔اور کیا کروں

میں۔"خود پر ضبط رکھنے کے بعد بھی آخر میں اس کی آواز بھاری ہوئی تھی حلق میں کچھ اٹکا تھا۔شاید آنسوں۔۔۔۔لیکن اب نہیں۔۔وہ بہت رو چکی۔اب رونا دھونا بند۔وہ اتنی روندھو تو نہیں تھی کبھی

آگ لگے مجھے اور میری سیچویشن کو۔سوہانی تپ کر بولی

آمین۔زلیخا نے منہ بگاڑ کر لقمہ دیا

تم بس ہمارے ساتھ پہلی جیسی ہو جاؤ یار۔۔ہم سے لڑو۔ناراض رہو۔حق جتاؤ یار۔۔لیکن یوں بے رخی تو مت دیکھاؤ۔اس جے لہجے میں بے قراری تھی۔آنکھوں میں خوف تھا ایک اور رشتہ کھونے کا خوف۔

گل نے گہری سانس بھری۔مجھے اب مزید کوئی دوستی نہیں رکھنی۔کیونکہ مجھے اب مزید کوئی دوکھا نہیں کھانا۔اس کا چہرہ بے تاثر تھا اور انداز روبوٹک

میرے ساتھ ایسا مت کرو گل۔میرے پاس اور کوئی رشتہ نہیں۔سوہانی کے آنکھوں سے آنسوں ٹوٹ کر گرے گل نے رخ موڑ لیا۔اسے نہیں پگھلنا تھا یہ طے ہوا۔میں اپنی غلطی کا مداوا کروں گی۔جو تم بولو لیکن یہ بے رخی نہ دکھاؤ پلیز

Clubb of Quality Content

وہ اب اس کے سامنے ہاتھ باندھنے لگی تھیں۔ تمھارہ دماغ خراب ہے۔ زلیخا ایک دم اس کے سامنے آئی اور ہاتھ نیچے کیئے۔ پاگل ہو گئی ہو سوہانی۔ کیوں ہاتھ جوڑ رہی ہو۔ تم نے جو کچھ کیا حسن بھائی کے کہنے پر کیا اس کی بھلائی کیلئے کیا۔ اور یہ۔۔۔۔ اسے ہم سے دوستی نہیں رکھنی تو نہ رکھے۔ اپنے معیار سے ہم بھی نہیں گرے گیں۔ گل اگر ضدی تھی تو زلیخا انا پرست اور ان دونوں کے بیچ میں جو پس رہی تھی وہ سوہانی تھی جواب تک ماضی کے غموں سے نکل نہیں پائی تھی اور ایک اور رشتہ اس سے چھوٹ رہا تھا۔

ایک تو اتنی عزت دے کر منانے آئے ہیں، اوپر سے میڈم کے نکھرے نہیں ختم ہو رہے_ زلیخا منہ ہی منہ بڑبڑاتی سوہانی کے گرد اپنے بازو حائل کیئے اسے لے جا رہی تھی۔

گلریز وہی کھڑی رہی ماضی اور حال میں الجھی ہوئی۔ وہ اتنی بے رحم تو نہیں تھی۔ لیکن رحم نے آج تک اسے کیا دیا تھا۔

سوہانی نے آخری بار پلٹ کر اسے دیکھا۔ پلیز۔۔۔۔ وہ زیر لب بولی۔ گل نے رخ موڑ لیا وہ دونوں چلی گئی۔ اور وہ اکیلی کھڑی رہ گئی۔ پھر سے اکیلی۔۔۔ کیوں؟؟؟؟

اب اسے یہی چھوڑ وقت کو تھوڑہ پیچھے کر کے واپس چھت پر آؤ تو وہاں دو لوگ آمنے سامنے تھا۔ایک چھت کے دروازے کے قریب چھجے تلے کھڑہ تھا اس کا پورہ وجود اندھیرے کے باعث سیاہ نظر آتا تھا۔اور دوسرہ کرسی پر بیٹھا ارد گرد سے آتی مدھم روشنی کی نظر میں تھا

"مجھے ایسا کیوں لگا کہ میں ان سوالوں کے جواب جانتا ہوں۔" وہ چھجے تلے کھڑہ شخص بولا۔

ساحل نے ناگواری سے گردن ہلائی۔"ابھی نہیں پلیز۔۔۔۔۔ابھی مجھے تمھاری بکوازیات میں انٹرسٹ نہیں ہے۔" وہی ازلی سنجیدہ لہجہ۔وہ اس کے آنے پر حیران نہیں ہوا تھا۔اور سامنے والے کو یہ بات کچھ کھٹکی تھی

"تو میں یہ سمجھوں کہ تم میرے راز سے آگاھ ہو چکے ہو اوشن۔" وہ شخص رازداری کے انداز میں دھیمی آواز میں بولا

لیکن چند قدموں کی دوری پر بیٹھے ساحل نے اس کی آواز بخوبی سنی۔وہ مسکرایا اس کی نیلی آنکھیں بھی مسکرائی۔"میں نے کہا تھا کہ تمھاری حقیقت مجھ سے چھپ نہیں سکتی"۔اس کی آواز میں خمار تھا فتح کا خمار

سامنے والا کچھ دیر خاموش رہااور پھر بولا تو آواز ٹھہری ہوئی تھی کسی راز سے بے خبر یا شاید باخبر۔ تمہیں پتاہے میں تمہیں اوشن یعنی سمندر کیوں کہتا ہوں۔

افلورس میری خوبصورت نیلی اور گہری آنکھوں کی وجہ سے۔وہ فخر یہ سا بولا

نہیں۔اندھیرے میں کھڑے شخص نے نفی میں گردن ہلائی۔"کیونکہ تم سمندر کی طرح گہرے ہو، گہرے راز رکھنے والے،اپنے اندر بہت کچھ چھپانے والے۔"

پھر وہاں ساحل کا قہقہہ گونجا۔سامنے والا حیران ہوااس نے کبھی اسے یوں ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔یہ لڑکا واقعی پراسرار تھا۔

وہ ہنستا ہی گیا۔اور پھر اچانک سے چپ ہوا۔نیلی آنکھوں میں غضب آٹھہرہ۔چہرہ خطرناک حد تک سپاٹ، سنجیدہ

وہ اٹھااور قدم بڑھاتا ہوااس شخص کے سامنے آکھڑہ ہوا۔اب وہ دونوں بجھے تلے اندھیرے میں کھڑے تھے

"اور سمندر جب غصے میں آتا ہے تو اس کی ذرہ سی لہر بھی دنیا ہلا کرر کھ دیتی ہے۔اور جب وہ اپنی موج میں آیا تب تو دنیا تباہ ہی ہو جائے گی۔بچو اس دن سے "میسم میر" جب اس سمندر

کی لہریں تمہیں تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیں"۔اس نے میسم میر پر زور دیا۔ کچھ تھا جو وہ جتانا چاہتا تھا۔سامنے والا جیسے خاموش ہوا تو کچھ بولا ہی نہیں

"اور اگر مجھے ذرہ بھی اندازہ ہوا کہ میری بھن کے مجرموں میں تم بھی شامل ہو تو خدا کی قسم میں سمندر نہیں بلکہ آگ بن کر ٹوٹوں گا تم پر۔۔" وہ اٹھارہ سالہ لڑکا جبڑے بھینچے کس رعب سے کہہ رہا تھا۔سامنے والا مرد جیسے سن ہو کر رہ گیا۔ کچھ تھا اس لڑکے میں جو کسی کو بھی جلا کر راکھ کر سکتا تھا۔آخر کون تھا اس کی پشت پناہی کرنے والا۔کون؟؟؟؟

وہ چندپل یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا۔اور پھر وہاں سے ہٹ گیا۔اب مدھم روشنیوں میں وہ چھت پر ٹہل رہا تھا۔ہاتھ پینٹ کی جیب میں اڑس لیئے گردن جھکائے۔وہ کچھ سوچ رہا تھا سامنے والا کچھ سنبھلا تو پھر سے بولنے کا آغاز کیا اب اس معصوم کو ڈرایا گیا تھا تو کچھ اس کا بھی حق تھا۔"تم نے کبھی سوچا نہیں کہ ہارون وحید کے اکلوتے بیٹے سچل کے ہونے کے باوجود بھی اس کا کاروبار میرے ہاتھوں میں کیوں آیا۔" وہ کہہ کر خاموش ہوا

ساحل کی چہل پہل رکی اس نے گردن پھیر کر اندھیرے میں کھڑے سیاہ وجود کو دیکھا جس کا اصل بھی سیاہ تھا۔وہ مکاری سے مسکرایا۔آہ اس کا ہر انداز حسین تھا۔"کیونکہ تم اس کی ناجائز اولاد تھے جسے وہ یہاں پھینک کر گیا تھا۔"

وہ ہاتھ سینے پر باندھے کھڑہ رہا اسی ڈھیٹ اطمینان کے ساتھ۔غیرت پر وار اچھا تھا۔لیکن تم تو جانتے ہو بڑی میں مطمئن بے غیرت ہوں مجھ پر یہ باتیں اثر نہیں کرتی۔بے حد تحمل سے جتایا گیا

ساحل نے ہنس کر گردن جھٹکی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

تو میرہ راز،راز رہے گا؟؟سیاہ وجود نے پوچھا

"میں تمھارہ رازدار نہیں۔۔"ساحل نے بتلایا

لیکن میں تو ہوں نا۔تمھارہ رازدار....سامنے سے کچھ یاد دلایا گیا۔کچھ ایسا جس سے ساحل کی چلتی پریڈ تھمی۔ذہن کے پردے پر کچھ لہرایا۔

"کیا ہوا اگر وہ راز میں تمھاری بھن کے سامنے کھول دوں۔"وہی ازلی معصومانہ لہجہ

عدالت، کٹہرہ، روتی ہوئی بے حال لڑکی، بکھرہ ہوا کمرہ، اپنے وجود سے آتی بدبو، گھن۔

ساحل کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ "میں نے کچھ غلط نہیں کیا..." اس کی آواز دھیمی تھی اور لہجہ شکستہ سا

تم نشے میں تھے، اور وہ لڑکی زخمی۔ سامنے والے کا انداز مطمئن تھا۔ وہ جانتا تھا ساحل ایک جریح تھا۔ اس کے زخم ابھی بھرے نہیں تھے۔ وہ آج بھی ایک گھائل انسان تھا۔ ایسے انسانوں پر وار کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ خاص طور تب جب وہ زخم ایک راز ہو۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔" وہ چلایا تھا۔ وہ ہزار بار یہ سطر دھرا سکتا تھا۔ وہ دھراتا تھا۔ لیکن کوئی اس کا یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ جو یقین کرتا انہیں بتانے کی ہمت نہ تھی۔ آج ایک بار پھر اسے اپنے وجود سے گھن آنے لگی تھی۔ اپنے گردن پر لگے ناخنوں کے زخم جیسے تازہ ہوئے تھے۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے جانے لگا۔ وہ بے سکون ہو چکا تھا اور اب کسی طور سکون آنے والا نہیں تھا۔

وہ چلا گیا تو سیاہی میں گھرے مرد نے گہرہ سانس بھرہ اور سر دیوار سے ٹکایا۔ جسے یقین ہو چلا ہو کہ اب اس کا راز واقعی راز رہے گا

اس نے جیب سے فون نکالا اور کسی کو کال کرنے لگا۔ کال جا جا کر پلٹتی لیکن سامنے سے کوئی جواب نہیں آیا۔

اس نے تھک ہار کر فون واپس جیب میں اڑسا اور اب وہ بھی جانے لگا تھا۔ وہ روشنیوں میں آیا تو ہواؤں نے دم سادھ لیئے، چھت کی دیواریں سہم گئی، چھت نے اپنے اوپر ڈھیروں وزن محسوس کیا، آسمان جیسے سکڑ کر پھیلا ہو۔ لیکن ہر چیز سے لاعلم وہ شخص ناگواری سے بڑبڑاتا ہوا زینے اترنے لگا۔ ذلیل کر دیا ہے، پہلے عذاب کم تھے جواب یہ بھی یہاں آگیا۔ اسے تو دیکھ لوں گا۔ آگ بن کر ٹوٹوں گا ہونہوں۔۔ بڑہ آیا بے نسل کہیں کا۔۔۔۔

★★★

"دوست پلٹ کر آئے تو اسے معاف کر دینا چاہیئے۔ ورنہ بہت نقصان ہو جاتا ہے"

ڈرائینگ روم کے دروازے پر کھڑہ میسم بول رہا تھا۔

سامنے وہ صوفے پر بیٹھی تھی سر ہاتھوں میں گرائے۔ وہ دونوں کب کی جا چکی تھیں لیکن ان کی آواز اب تک کانوں میں گونج رہی تھی

معافی سے زخم نہیں بھر جاتے۔ تکلیف کم نہیں ہو جاتی۔ اس کی آواز بجھی ہوئی تھی

دل پر لگے والے زخم تو کبھی نہیں بھرتے۔ لیکن دوستوں کو ایک موقعہ تو دینا چاہیئے نہ؟

میسم نرم لہجے میں کہہ رہا تھا

مجھے جھوٹ برداشت نہیں اور ان لوگوں نے مجھ سے جھوٹ بولا۔ میں جھوٹ بولنے کا ایک اور موقعہ نہیں دے سکتی۔ اس نے چبا چبا کر لفظ ادا کیئے۔ غصہ تھا بے حد غصہ

میسم نے ہاتھ سینے پر باندھے۔ اور قدم بڑھاتا اس کے ساتھ تھوڑے فاصلے پر آ بیٹھا۔ تمہیں لوگوں پر ترس نہیں آتا گل۔ میسم کہہ رہا تھا اس کے لہجے میں طنز نہیں تھا فکر تھی۔ تم نے اس رات اپنی بھن سے بھی بہت کچھ کہا، تمھارے زور زور سے بولنے کی آواز نیچے تک آ رہی تھی۔ آج سوہا رو رہی تھی۔ اور پھر بھی تم نے ایک لفظ تسلی کا نہیں کہا۔ دوستی جیسا کوئی حق نہیں جتایا۔ حالانکہ تم ان سے کہہ سکتی تھی۔ غصہ ہو سکتی تھی لیکن تم نے نہیں کیا۔ تم سب کچھ ٹھیک کرنے بجائے سب کچھ ختم کرنے پر کیوں تلی ہو۔ وہ واقعی فکر مند تھا۔ گل سب کو خود سے دور کر رہی تھی۔

"کیا کسی کو مجھ پر ترس نہیں آتا۔ کیوں سارے رشتوں کا بوجھ میرے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔ سب کچھ میں فکس کروں؟؟ واقعی میسم بھائی آپ کو میں اتنی بہادر لگتی ہوں۔" وہ اسے دیکھ سوالیہ نظروں سے پوچھ رہی تھی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"میں بہادر نہیں ہوں، مجھے خوف آتا ہے۔ میں ڈرتی ہوں، میں دوسری مرتبہ اعتبار کے ٹوٹنے سے ڈرتی ہوں۔ مجھے خوف آتا ہے کہ اگر ان سب لوگوں نے پھر سے کوئی چال چلی تو؟؟ اگر پھر سے مجھے دوکھا دیا تو؟" وہ گلریز تھی مجال ہے جو کبھی کسی سے اپنے دل کی بات کہی ہو اپنے ڈر کا اظہار کیا ہو لیکن نہیں معلوم کس لمحے کے زیر اثر وہ میسم سے اپنا خوف بیان کرنے لگی شاید وہ دل میں رکھ رکھ کر تھک چکی تھی۔ یا پھر وہ میسم پر بھروسہ کرنے لگی تھی۔

میں بہادر نہیں ہوں بھائی۔ اس نے واپس سے سر جھکا لیا اور اپنی کھالی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔ میں کمزور بھی نہیں ہوں، میں بس خوفزدہ ہوں۔ میں دوبارہ ٹوٹنا نہیں چاہتی۔ میں تھک گئی ہوں۔ مجھ سے اور سفر نہیں ہوتا۔ چند آنسوں بے اختیار نکلے

اپنے خوف کو نکالو گل۔ یہ تمہیں جینے نہیں دے گا۔ خوف سب کچھ تباہ کر دیتا ہے۔ ٹھیک ہے لوگوں کو موقعہ دو لیکن پھر ان سے زیادہ امیدیں نہ لگاؤ۔ انہیں اتنی اہمیت نہ دو کہ ان کی چھوٹی سی بات تمہیں توڑ دے۔ لوگوں کو اتنی ہمت نہیں دینی چاہیئے کہ وہ آپ کے غم اور خوشی کے ساتھ کھیلیں۔ وہ چپ ہوا تو جیسے ایک سحر ٹوٹا گل یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ اس کی آنکھوں میں سوال تھے

میں نے کہا نہ میں بہادر نہیں ہو۔ میں اپنے جذبات، اپنے احساسات پر قابو نہیں پا سکتی۔ میرے لیئے خود کو باز رکھنا مشکل ہے۔ مجھے ایک رشتے سے سب کچھ چاہیے ہوتا ہے۔ میں بہادر نہیں ہوں۔ آخر میں جیسے وہ بے بس ہوئی تھی

Clubb of Quality Content

انسان کو کم از کم اپنے جذبات پر قابو ہونا چاہیئے، وہ کہہ رہا تھا۔ اگر انسان کے جذبات اس پر حاوی ہو گئے تو وہ ذلیل ہو کر رہ جائے گا۔ تم بہادر ہو۔ بس اپنے خوف کو ختم کرو۔ ایک مرتبہ اور بھروسہ کرو۔ لوگوں کو موقعہ دو۔ ہم کتنے ہی تنہائی پسند ہو جائیں لوگ ہمارے لیے لازم ہیں۔ ہم لوگوں کے بنا نہیں رہ سکتے۔ لوگ ہماری ضرورت نہیں مجبوری ہیں۔ اکیلے رہنا نا ممکن ہے۔ تم سمجھ رہی ہو۔ گل کو اپنی طرف متوجہ نہ پا کر اس نے پوچھا۔

میں اپنا خوف کیسے ختم کروں۔ وہ اپنی دھن میں بولی

میسم نے گہری سانس بھری وہ لوگوں کو ہارتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا اور یہ تو پھر گل تھی میسم میر کیلئے ایک خاص رشتہ۔

حقیقت کو قبول کرو۔ جنہوں نے جھوٹ بولا دو کھا دیا انہیں معاف کرو۔ معاف کرنے سے دل حلقے ہو جاتے ہیں.. لوگوں پر دوبارہ بھروسہ نہ کرو لیکن ان کے ساتھ رہو، تعلق کو برقرار رکھو۔ لیکن کسی کیلئے خود کی قربانی مت دو۔ ہر تعلق میں ایک حد بناؤ۔ اور عزت سر فہرست رکھو۔ کبھی تمہیں لگے کہ کوئی تمھاری بے عزتی کر رہا ہے اسے وہی چھوڑ دو۔ پھر کوئی بھی ہو بھاڑ میں جائے، جھنم میں جائے۔ آخری جملہ اس نے منہ بگاڑ کر اور ہاتھ جھلا کر کہا۔ اس کے انداز پر گل نم آنکھوں سے ہلکا سا مسکرائی۔

وہ بھی ہلکا سا مسکرایا۔ تم ہم سب کیلئے خاص ہو، خود کو ضایع مت کرنا۔ کبھی کوئی پریشانی ہو کوئی بھی تو مجھ سے کہنا۔

اس نے آہستہ سے گردن ہلائی تو میسم نے ہاتھ اٹھا کر اس کے بال بگاڑے۔ میرہ شیر بچہ..

اب اٹھو اور اپنے سڑے ہوئے مہمان بھائی کو دیکھو۔ چھت پر اکیلا ہو گا بے چارہ۔

میں دیکھتی ہوں۔ وہ اٹھنے لگی

ویسے سچ بتاؤں تو مجھے وہ بالکل بھی پسند نہیں آیا ہونہہ۔ وہ بدمزہ ہوا۔

وہ بہت اچھا ہے۔ اس کے ساتھ وقت گزاریں گیں تو پتا چلے گا۔ مشورہ دیا گیا۔

میسم نے سر خم کیا۔ کوشش کریں گیں۔ کہ اس کے ساتھ وقت نہ گزاریں۔ آخری الفاظ اس نے دل میں کہے

وہ چلی گئی تو پیچھے میسم کا فون بجا۔ اس نے نمبر دیکھا اور فون کان سے لگاتا اٹھا۔ کب سے تمہیں کالز کر رہا ہوں۔ کیا اتنے مصروف ہو تم۔ سامنے سے کچھ کہا گیا۔ اس نے منہ چڑھایا۔

Clubb of Quality Content

★★★___

ماضی..

یہ منظر ایک چائے کے ڈھابے کا ہے جہاں کئی لوگ تھک ہار کر چند پل سکون کیلیئے بیٹھے تھے۔ وہاں کی کڑک چائے ساری تھکاوٹوں کو اتار دیتی تھی۔ لوگ کچھ خوش تو کچھ بے حال

آس پاس پھر رہے تھے۔ایسے میں ایک ٹیبل پر ہماری کہانی کے دو کردار براجمان تھے۔ایک دوسرے کے آمنے سامنے۔

"میں نے تم سے کیا کہا تھا کہ اسے پریشان کرتے رہنا ہے اور تم بس ایک دو مرتبہ ہی گئے۔" کرسی پر بیٹھا ہارون سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔سنہری آنکھیں، تیکھے نقوش، چوڑی جسامت، وہ خوبصورت مرد اپنے اندر بہت ساری بدصورتی لیئے ہوئے تھا

میں نے اسے دھمکایا اور وہ نہیں مانا۔حفیظ ٹانگ پر ٹانگ جمائے لاپرواہی سے کہہ کر ہارون کا خون جلا گیا۔اس کا حلیہ کسی گنڈے کے سا تھا، گلے میں موٹی زنجیریں، بال بکھرے ہوئے، کف موڑے۔

حفیظ میں بس اسے سکون سے بیٹھا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ہارون آس پاس کا خیال کرتے دبا دبا چلایا تھا اس کی آنکھوں میں آگ سی تھی

حفیظ نے چیونغم منہ میں ڈالا۔ہاں تو ابھی میری بیٹی ہوئی ہے تو میں اس کی خوشیاں منا رہا ہوں۔اور پھر وہ بھی تو اپنے بچوں کی خوشیاں منا رہا ہے تو اسے بھی منانے دو جب اپنے دفتر جائے گا تو میں چکر لگاؤں گا پھر اس کے پاس۔ہارون کے برعکس حفیظ بے حد مطمئن اور نرم تھا

ہارون نے تاسف سے سر ہلایا اور ہاتھ ٹیبل پر رکھے گردن جھکادی ویٹر نے چائے لاکر رکھی تو حفیظ اب چسکے لے کر چائے پینے میں مصروف تھا

دفعتاہارون نے چونک کر سر اٹھایا۔تم نے ابھی کیا کہا

حفیظ نے لاعلمی سے اسے دیکھا۔کیا میں نے تو کچھ نہیں کہا

ابھی ابھی تم نے مجھ سے ابرار کے بارے میں کیا کہا۔ہارون کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی

حفیظ الجھا۔یہی کہ وہ اپنے بچوں کی خوشی منانے میں مصروف ہے

ہارون مسکرایاایک شیطانی مسکراہٹ کسی کو تباہ کرنے کی مسکراہٹ۔"اس کے بچوں کو مار دو"

Clubb of Quality Content

حفیظ کا منہ کو جاتا کپ رکا۔اس نے حیرانی سے ہارون کا دیکھا(لوگوں کو ڈراناد ھمکانااس کا کام تھالیکن کسی کو مارنا یہ حفیظ بخش کبھی نہیں کر سکتا تھا)

بلکہ اسے اپنی بیٹی سے بہت محبت ہے نہ۔تم اسے مار دو یا پھر اسے کہیں پھینک دو۔مجھے نہیں معلوم لیکن تم بس اسے ابرار سے دور کر دو

حفیظ نے چائے کا کپ زور سے میز پر پٹخا۔تم پاگل ہو گئے ہو ہارون وحید اور میں تمھاری پاگل پنتی میں تمھارا ساتھ نہیں دینے والا سمجھے تم۔اس کا لہجہ سخت تھااور آنکھوں میں مضبوطی

ایک بار سوچ لو حفیظ۔ تم ہارون وحید کو منع کر رہے ہو۔ حفیظ نے کرسی پر ٹیک لگایا اور گردن ڈھلکائے ہارون کو دیکھنے لگا۔

میری بھی ایک بیٹی ہے دو دن کی اور ایک بیٹی کا باپ ہوتے ہوئے حفیظ بخش کبھی کسی دوسرے سے اس کی اولاد نہیں چھین سکتا سمجھے تم۔ وہ کہہ کر اٹھا اور جیب سے والٹ نکال کر اس سے پیسے نکالنے لگا

ہارون کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ آئی۔ یہی تو مسئلہ ہے حفیظ بخش۔ کہ تمھاری بھی ایک بیٹی ہے

حفیظ کا پیسے نکالتا ہاتھ رکا وہ صدمے سے ہارون کو دیکھنے لگا۔ دو سال پرانا دوست اور آج وہ اسے اس کی بیٹی کی دھمکی دے رہا تھا۔ بکواز بند کرو اپنی ورنہ میں تمھاری جان لے لوں گا۔ وہ صدمے سے بولا تھا

ہارون نے کچھ سوچنے کے انداز میں ٹھوڑی کھجائی۔ چلو اگر اتنی ہمدردی ہے تمہیں ابرار کی اولاد سے تو پھر ٹھیک ہے میں تمھاری بیٹی کو مار دیتا ہوں۔ کیسا؟ ہارون نے ابرو اچکائے

میں تمھاری جان لے لوں گا ہارون۔ وہ دانت بھینچے ہوئے بولا

لے لینا لیکن تب تک میں تمھاری بیٹی کو مار دوں گا۔ ہارون آگے کو ہوا گردن اوپر کی اب کہ وہ بولا تو اس کی آواز میں سفاکی تھی اور آنکھوں میں وحشت۔ اور میں ایسا کر سکتا ہوں

حفیظ کو سانس لینے میں دکت ہوئی وہ جانتا تھا کہ ہارون ایسا کر سکتا ہے وہ اس کی بیٹی تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ حفیظ اپنی کرسی پر واپس بیٹھا دل چور تھا لیکن آنکھیں اب بھی مضبوط تھیں۔ تو پھر تم خود جا کر ابرار کی بیٹی کو مار ڈالو مجھ سے کیوں کروا رہے ہو

کیونکہ یہ چوری کا طریقہ صرف تمہیں آتا ہے نہ میری جان۔ اور مجھے پتا ہے کہ تم مجھے دو کھا بھی نہیں دو گے اور میرا نام بھی نہیں لو گے۔ ہارون کی آواز سے ہی نفرت ہوتی تھی

تو اب تمھارے پاس دو راستے ہیں یا ابرار کی بیٹی یا پھر اپنی بیٹی۔ وہ مسکرا کر بولتا حفیظ کی جان اس کے حلق سے کھینچ چکا تھا۔ تم فکر مت کرو اس کیلئے میں تمہیں بہت سارے پیسے بھی دوں گا

تم کیوں کسی کی اولاد چھین رہے ہو تم خود بھی تو اولاد والے ہو تمہیں خدا سے خوف نہیں آتا۔ حفیظ کی آنکھوں کی مضبوطی اب کہ ٹوٹ چکی تھی اس کے لہجے میں شکستگی تھی

ہارون کی آنکھوں نے ایک دم رنگ بدلا تھا ان میں صدمہ در آیا۔ "اس کی وجہ سے میری اولاد بھی مری تھی حفیظ بخش۔ کیا اسے خوف نہیں آیا خدا کا"

حفیظ نے نہ سمجھی سے اسے دیکھا وہ تو تمھارا دوست ہے پھر کیسے

ہارون آگے کو ہوا۔ جب وہ اور اس کی بدکردار بیوی گھر سے فرار ہو رہے تھے تب میری بیوی کو دو گولیاں لگیں تھیں۔ وہ چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کر رہا تھا۔ اور اس وقت میری بیوی

حاملہ تھی آٹھ ماہ کی حاملہ۔۔۔۔۔۔تب میں نے اپنی بیٹی کھوئی تھی وہ بیٹی جسے ہاتھوں میں اٹھانے کیلئے میں بے تاب تھا، میری پہلی بیٹی۔اس کی آنکھوں میں نمی چمکی۔ تمہیں پتا ہے حفیظ میں نے اسے اپنی باہوں میں اٹھایا تھا میں نے اس چھوٹے سے ننھے سے وجود کو اپنی باہوں میں لیا لیکن لیکن وہ بے جان تھی بالکل سن جیسے۔۔۔۔ جیسے پتھر ہوتے ہیں۔۔۔

حفیظ کو بے اختیار اس پر ترس آیا۔'وہ میری اولاد تھی پر وہ مری گئی. "ابرار اور کلثوم کی وجہ سے۔ان دونوں کی مدد کے چکر میں ہم نے اپنی بیٹی کھوئی تھی۔ہارون نے بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔ تم اس کی بیٹی کو مارو گے اور وہ بھی کل۔۔ سمجھے، ورنہ میں تمھاری بیٹی کی جان لے لوں گا

وہ کہہ کر رکا نہیں اٹھ کر چلا گیا پیچھے حفیظ سانس تک نہیں لے پا رہا تھا اس کے پاس دو راستے تھے یا تو وہ ابرار کی بیٹی کی جان بخشتا یا پھر اپنی بیٹی کے ساتھ رہتا۔اس کے دماغ میں کئی جکڑ چلنے لگے اور بالآخر وہ اٹھا تھا مٹھیاں بھینچے سنجیدہ چہرے سے آنکھوں میں ایک بار پھر مضبوطی آئی تھی لیکن اس مضبوطی سے خوف آتا تھا۔"میں اسے ماروں گا اور اپنی بیٹی کو بچا لوں گا۔" اس نے زیر لب دہرا کر عزم کیا اور وہاں سے جانے لگا۔ابھی اسے بچی کو مارنے کی تیاری بھی کرنی تھی

لیکن وہ یہ بات بھول گیا تھا کہ زندگی اور موت دینے والا خدا ہے اور اس بار بھی ہر سازش اس خدا کی مصلحت کے آگے بے کار پڑنے والی تھی

★★★____

کمرے میں آج ہلکی پھلکی روشنی تھی۔ آج اس کمرے کے مقدر میں اندھیرہ نہیں، کچھ کچھ اجالا تھا۔

وہ یونہی زمین پر بیٹھی چپ چاپ اپنی زندگی پر غور کرنے لگی۔ کیا تھی وہ کیا ہو گئی تھی۔ پھر اس نے سر جھٹکا وہ اپنے دماغ کو ماضی کے خیالوں سے نکالنا چاہ رہی تھی۔ حقیقت سامنے اژدھے کی طرح منہ کھولے کھڑی تھی، اب منہ موڑنا بے کار تھا

سارہ دن اچھا گزرہ۔ وہ خود سے بڑبڑانے لگی، کھانے کی میز پر سب سے اچھی باتیں ہوئیں۔ کوئی بدمزگی نہیں۔ اس نے جیسے خود کو باز رکھنا چاہا۔ لیکن ماں..... وہ خاموش ہو گئی۔

کئی ساعتیں بیتی کئی گھڑیاں بیتی اسے احساس ہی نہ ہوا۔ وہ یونہی بیٹھی رہی۔

تبھی دروازہ بنا کسی دستک کے کھلا۔ چر کی آواز نے سارے میں ارتعاش سا پیدہ کیا۔

ایک احساس ہوا تھا گل کے دل میں کہ یہ کون ہو گا۔اس نے مڑ کر نہیں دیکھا وہ مڑ ہی نہیں سکی۔ کوئی قدم اٹھاتا ہوا اس کے پاس آیا اور بہت قریب آکر بیٹھ گیا گل نے گردن نہیں اٹھائی۔اس کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔اس کے بال کانوں سے ہو کے آگے کو گر رہے تھے۔نوارد نے اس کے بال پیچھے کیئے اور پھر ان کے نرم ہاتھ گلریز کے بالوں کو سہلانے لگے

سکون،چین،محبت،شفقت۔کیا نہیں تھا اس لمس میں۔ممتا کا وہ لمس اس نے پہلی بار محسوس کیا تھا

انہوں نے گل کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا۔تمھاری ماں نے تمھیں بہت مس کیا بچے۔وہ مدھم سرگوشی گل کی سماعتوں سے ہو کے اس کے رگ و پے میں بس گئی

گل نے گردن موڑی۔ماں نے سر اٹھایا اور اسے دیکھا۔گل نے انہیں دیکھا تو بس دیکھتی ہی رہی اسے وہ عورت دنیا کی سب سے خوبصورت عورت لگی تھی۔گل یک ٹک ماں کو دیکھتی رہی

Clubb of Quality Content!

ماں نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں بھرہ پھر نرمی سے اس کا ماتھا چوما پھر باری باری دونوں گالوں کو چوما

مجھے معاف کر دیں ماں میں نے آپ لوگوں کو بہت تنگ کیا بہت تڑپایا۔ گل نے کانپتی آواز میں کہا

ماں کی آنکھوں سے آنسوں کا ایک ریلا آیا۔ میری بیٹی۔۔۔۔ میری پیاری بیٹی۔۔۔ میری۔۔۔ میری محبوب اولاد۔۔۔۔ میری گل۔۔ گلریز۔ انہوں نے اسے گلے سے لگایا اور گل کو اب اپنی زندگی، اپنا وجود مکمل لگا تھا

وہ دونوں وہی زمین پر ایک دوسرے سے لپٹی بیٹھی رہی بالکل خاموش نہ کوئی شکایت نہ کوئی ناراضگی۔ اگر کوئی آواز تھی تو گل کے رونے کی۔ وہ بنا کچھ کہے ان کے سینے پر سر رکھے بس روتی رہی۔ ماں نرمی سے اس کے بالوں کو سہلانے لگی۔ بے آواز آنسوں ان کے بھی تھے۔ گل کب ان کے سینے پر سر رکھے سوئی اسے علم ہی نہ ہوا۔ ماں کب اس کے بال سہلاتے ہوئے سو گئی انہیں معلوم نہ ہوا۔

رات گزری اور ایک نیا دن چڑھا ایک نیا خوبصورت دن، امیدوں خواہشوں اور محبتوں سے بھری ہوئی ایک نئی کہانی شروع ہوئی تھی۔اس روز سے سب ٹھیک ہو یا نہ ہو یہ مقدر ہے۔ لیکن ہاں اس روز سے سب مکمل ضرور تھا۔

ماں اور گل کی آنکھ دروازے پر دستک ہونے سے کھلی۔انہیں احساس ہوا کہ وہ ساری رات یونہی فرش پر سوئی رہیں۔

ماں کی کمر اکڑ گئی تھی۔چند لمحے وہ دونوں یونہی مندی مندی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھتی، بیتی رات کے احوال یاد کرنے کی کوشش میں تھی۔اور بس چند لمحوں میں نیند کا خمار اترا اور ان کے دماغ چلنے لگے۔

ان دونوں نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ہنس دیں۔زور سے قہقہے لگا کر اپنی ہی حال پر اپنی بے وقوفی پر۔

وہ دونوں ماں بیٹی بیڈ پر جا کر بھی سو سکتی تھی لیکن نہیں۔۔۔وہ یونہی ہنستی رہیں دروازے کی دستک اب بند ہو چکی تھی نوارد جا چکا تھا

وہ کمرہ جس میں بیس سالوں سے کوئی نہ کوئی آ کر اس کی یاد میں روتا رہتا تھا آج وہ کمرہ اپنی مالکین کے قہقہوں سے گونج رہا تھا

خوشیاں آچکی تھی زندگیاں مکمل ہوئی اب سب ٹھیک تھا سب ٹھیک

لیکن کیا زندگی میں ایسا ممکن ہے ؟؟

★★★____

دو دن بعد

ماہ نومبر شروع ہو چکا تھا۔ گرمیوں کو خیر آباد کر کے اب اسلام آباد والے سردیوں کو خوش آمدید کر رہے تھے۔ہاں کچھ کام کاج والے لوگ اور صبح اسکول جانے والے بچے تھوڑے بے زار تھے لیکن اب قدرت کے آگے کیا کر سکتے ہیں بھلا۔ایسے میں سورج کا تھال آج خوشی خوشی پلٹا تھا۔اسے اب آہستہ آہستہ لوگوں کی توجہ جو مل رہی تھی۔ گرمیوں میں جیسے لوگ سورج کی ناقدری کرتے ویسے ہی سردیوں میں اس کے منتظر رہتے۔

پیلی دھوپ گئی تو سیاہی نے اپنا ڈیرہ جمایا۔ایسے میں اس بڑے سے بنگلے کی طرف آؤ تو وہ روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔تازی سرد ہواؤں میں آج باہر لون میں کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ کھانا تو تمام ہو چکا تھا اب تو سیخ کباب اور کولڈ ڈرنک کے دور چل رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد چائے کی بھی فرمائش ہونے والی تھی۔

چاروں طرف کرسیاں اور صوفے رکھے تھے، یہ صوفے خاص آج کی دعوت کیلئے باہر رکھے گئے تھے۔ سارے لون میں پیڑوں سے لٹکتی فیری لائیٹس منظر کو اور حسین بنا رہی تھیں۔ صوفوں اور کرسیوں پر گھر والے براجمان تھے۔ ابرار، قاسم اور اشتیاق اپنی باتوں میں مگن تھے۔ کلثوم اور حسنہ چچی اور ساتھ چند ملازما کباب لا لا کر سب میں بانٹتی۔ ان کے بیچ آگ کا الاؤ جل رہا تھا۔ چٹختی لکڑیوں کے قریب فیض اور میسم بیٹھے تھے۔ فیض کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے وہ آگ میں جلتی لکڑیوں کو حرکت دے رہا تھا، بے مطلب بے وجہ۔ اس نے نیلی شرٹ پر بلیک جیکٹ اور بلیک ہی پینٹ پہن رکھی تھی۔ بال اچھے سے سیٹ کیئے اس کی تیاری بھی آج کچھ الگ تھی۔ آنکھیں بار بار سامنے بیٹھے گل اور ساحل تک جاتی۔ وہ نظریں چرا لیتا۔ ہاں ٹھیک ہے مانا کہ وہ اس کا بچپن کا بھائی ہے، لیکن وہ فیض کے ساتھ بھی تو بیٹھ سکتی تھی نہ۔۔ فیض بس گہری سانس بھرتا رہ گیا۔ ہاتھ بار بار جیب تک جاتا۔ جہاں اس کیلئے لیا گیا گفٹ تھا

ان سب سے ذرہ فاصلے پر حسن کھڑہ فون پر بات کر رہا تھا۔ سفید سلوار قمیص میں وہ دراز قد، گندمی رنگت اور ہلکی داڑھی والا مرد آج معمول سے ہٹ کر اچھا لگ رہا تھا۔ چہرے کی بشاشت، مسکراہٹ قابلِ رشک تھی۔ کیا تم اس کی باتیں سننا چاہو گے؟

اڑے یار میری بات سمجھنے کی کوشش کرو میں کیا کہوں گا اس سے، کہ لو اپنی بھابھی سے بات کرو۔ تمہیں شرم نہ آتی ہو لیکن میں ایک باحیا مرد ہوں لڑکی۔

ہاں تو بیوی ہوں تمھاری کوئی غیر نہیں۔ سامنے سے لڑکی کی خفا خفا سی آواز آئی، حسن مسکرایا۔اور کیا مطلب باحیا مرد؟ میں باحیا نہیں ہوں. ہاں؟ وہ تو تپ ہی گئی تھی

حسن نے بائیں ہاتھ سے کان کی کنپٹی کو چھوہ۔"میرہ وہ مطلب نہیں تھا میری جان تم۔۔۔۔۔۔"اس بیچارے کی بات بیچ میں ہی رھ گئی

باحیا مرد ایسے نہیں کہا کرتے۔ میری جان، یہ۔۔۔وہ۔۔۔وہ اچھا خاصا غصہ تھی۔اور بات سنو مجھے ساری تصویریں بھیجنا۔آج کی دعوت کی بھی۔سامنے سے نیا آرڈر جاری ہوا

"تابعدار سائیں.."وہ مسکرا کر سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا جیسے شرف قبول کیا ہو

ایک مرتبہ بس اس گھر میں آجاؤں میں، پھر دیکھنا کیسا حال کرتی ہوں میں تمھارہ۔وہ چلا کر بولی

'جیسی آپ کی مرضی۔"وہ ڈھیٹ انسان اسی مسکراہٹ کے ساتھ بولا

ایک تو ان نواب کے نکھرے ختم نہیں ہوتے۔ ملی ہوتی نہ کوئی چالاک بیوی تو پتا چلتا۔ مجھ جیسی معصوم ملی ہے۔ اچھے میں لپٹ گئے تم ہو نہہ۔ سامنے ہنوز خفگی تھی

حسن نے گلا کھنکھارہ۔ "معصوم..... لاحول ولا قوتہ۔ "وہ حیران ہوا

شٹ آپ..... وہ مزید خفا ہوئی

"تابعدار سائیں.... "وہ واقعی ڈھیٹ تھا

جھنم میں جاؤ تم اور تمھارہ یہ ڈائیلاگ۔ وہ تپ کر کہتی اس کے منہ پر مارنے والے انداز میں کال کاٹ گئی

حسن نے آنکھیں میچ کر کھولی، پھر اسکرین کو تکا۔ اور گھرہ مسکرایا۔ ایک مکمل محبت بھری مسکراہٹ۔ "تابعدار سائیں.. "وہ زیر لب بولا۔ موبائل واپس جیب میں اڑستے ہوئے وہ کچھ گنگنا رہا تھا۔ اور یو نہی مسکراتا ہوئے وہ گل کے سامنے آ کھڑہ ہوا، اور اس کے سامنے اپنا داہنا ہاتھ پھیلایا۔ کیا آپ میرے ساتھ بیٹھنا پسند کریں گیں؟ آہ کیا ادا تھی اس آدمی کی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

گل پہلے حیران ہوئی اور پھر ہنس دی۔اس نے بھی سفید ہی سوٹ پہن رکھا تھا جس پر سفید کڑائی تھی، سر پر پشمینا اوڑھے ہلکا سا میک اپ، پیروں میں سلور خصا۔شاید ان دونوں بھن بھائیوں کو یہ رنگ پسند تھا۔

ساحل بھی اس کے ساتھ بیٹھا مسکرایا۔ہاں اب وہ مطمئن تھا اپنی بھن کی طرف سے

"بالکل.. "اس نے اپنا بایاں ہاتھ حسن کے ہاتھ میں رکھا۔ان دونوں کے ہاتھ کا نشان ٹکرایا۔ایک پل کیلئے گل کو لگا کہ جیسے فیری ٹیل کی طرح اب اس نشان سے کوئی روشنی نکلے گی۔لیکن وہ حقیقت تھی..اس نے ہنس کر سر جھٹکا۔آج وہ خوش لگ رہی تھی

اور پھر وہ گھاس پر چلتے ہوئے۔ایک تھری سیٹر صوفے پر آ بیٹھے۔

آگ کے پاس بیٹھے فیض نے بس ایک نظر ان دونوں کی طرف دیکھا۔وہ ساتھ باتیں کر رہے تھے ہنس رہے تھے۔فیض کی ضرورت وہاں بھی نہیں تھی۔فیض کو اس آگ میں اپنا دل راخ ہوتا محسوس ہوا۔"گلریز کی زندگی میں فیض کی ضرورت نہیں تھی۔کہی بھی نہیں.." اس نے اقرار کیا۔

کیا ہوا ابرو۔ساحل اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے اس کے ساتھ آ بیٹھا،اس نے سرمائی شرٹ پر بلیو جیکٹ پھن رکھی تھی،اور سفید پینٹ۔میسم وہاں سے اٹھ کر اندر کو گیا

فیض نے سر نہیں اٹھایا۔وہ یونہی سر گھٹنوں پر ٹکائے اس نارنجی آگ کو دیکھے گیا۔اس کی بھوری آنکھوں میں اس وقت اسی آگ کے شولے تھے

کیا سب ٹھیک ہے۔ساحل کو کچھ تشویش ہوئی

''یس۔"بس ایک لفظی جواب

میں آج واپس جا رہا ہوں۔اسے خاموش دیکھ ساحل نے ہی کچھ بات کرنی چاہی

اچھا ہے۔بے تاثر لہجہ

تم میرے آنے سے خوش نہیں۔

نہیں۔آہ وہ کس قدر سفاک تھا

کیوں ؟نیلی آنکھوں والا لڑکا حیران ہوا۔اس کی نیلی آنکھیں اس وقت آگ کے رنگ میں مل کر کوئی خوبصورت رنگ بنا رہی تھیں

فیض نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ رنج، ملامت، ہزن۔ کیا نہیں تھا اس کی آنکھوں میں

کیا گل کی وجہ سے۔ ساحل کو اب بات سمجھ آئی تھی

فیض کے جبڑے بھینچے۔ اس نے سر واپس جھکا لیا بولا کچھ نہیں

دیکھو فیض وہ میری بھن ہے لیکن تمھاری سگی بھن ہے۔ کیا تمہیں مجھ سے حسد ہو رہا ہے کہ وہ میرے ساتھ تھی؟ اس کے دماغ نے ایکدم سارہ معاملہ سمجھا تھا

ہاں وہ میری سگی بھن ہے، اور میں تمھیں اس قابل نہیں سمجھتا کہ تم سے حسد کروں۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ ایک ایک لفظ چبا کر بولا

فیض میرہ یہ مطلب نہیں تھا۔ تم دونوں کے بیچ دوریاں ہیں جسے تمہیں خود ختم کرنی ہو گی۔ جیسے ابھی حسن بھائی نے کیا۔ وہ خود آئے تھے تم بھی اگر آجاتے تو وہ تمہیں انکار نہ کرتی۔ نیلی آنکھوں والا لڑکا فکر مند ہوا تھا

''وہ تمھارے سامنے مجھے دیکھتی تک نہیں" فیض کہنا چاہتا تھا لیکن کہہ نہ سکا۔ تم میرے اور اس کے بارے میں بات نہیں کر سکتے۔ فیض کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے اور آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھی۔ یا پھر شاید وہ آگ کی تپش تھی۔ "تم ہمیں جج کرنا بند کرو۔"

ساحل چند لمحے لب بھینچے اسے دیکھے گیا اور جب بولا تو آواز بے حد مدھم تھی۔ "گل نے تو مجھے کہا کہ تم بہت ہی سادہ اور معصوم ہو۔" فیض نے ایک جھٹکے سے گردن موڑی۔ اس کی آنکھوں نے ایک ساتھ رنگ بدلے۔ اس نے کہا تھا کہ "فیض لڑتا ہے، تنگ کرتا ہے، لیکن اس کا تنگ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ وہ میرہ بھائی ہے اور بھائی تو ایسے ہی ہوتے ہیں نا.." اس نے گل کے الفاظ دہرائے

فیض نے تھوک نگلا۔ کیا وہ اسکے بارے میں بات کر رہی تھی

وہاں ہم جتنی دیر بیٹھے رہے وہ مجھ سے تمھاری باتیں کر رہی تھی۔ "ہم دونوں کو جو بڑی سی لائبریری بنانی تھی، اس میں اب فیض بھی ہمارے ساتھ ہو گا۔" اس نے دوبارہ گل کے کہے الفاظ دہرائے۔ فیض حیران تھا یا خوش۔ ساحل اندازہ نہ لگا سکا۔

تم اس سے بات کر کے دیکھو فیض۔ اس سے دوری مت بناؤ۔ مجھ جیسے بد قسمت کو دیکھو جو اس کا سگا نہ بن سکا۔ ساحل کہہ رہا تھا اور فیض بس سنتا گیا بنا کسی تاثر کے۔ "مجھے اگر کبھی ماں یا بھن کے انتخاب کا موقعہ ملا تو میں گلریز کا انتخاب کروں گا۔ ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ..." اور تمہارے لیئے تو اسے ویسے بھی محرم بنایا گیا ہے۔ تو اب قدر کرو لڑکے۔ اپنے

رشتے کو ضایع مت کرنا۔۔وہ کس امید اور آس سے کہہ رہا تھا فیض کو بے اختیار اپنے آپ پر رشک ہوا۔ہاں وہ خوش قسمت تھا۔

لیکن اگلے ہی پل اس کی خوشی غارت ہوئی۔کیا پتا تم جھوٹ بول رہے ہو یا سچ۔۔وہ ان سیکیورٹیز کا مارہ لڑکا بس منفی ہی سوچ سکا

ساحل نے گہری سانس بھری،اور ڈھیر ساری ملامتیں اندر اتاری۔"تم بھی اسی کے جیسے ہو، کسی پر بھروسہ کرتے ہی نہیں ہو تم دونوں۔"وہ کہہ کر اٹھ گیا۔

فیض چند لمحے وہاں بیٹھا رہا اور اب اسے آگ جلانے لگی تھی۔وہ وہاں سے اٹھ کھڑہ ہوا۔ارادہ اندر کی جانب جانے کا تھا۔اس نے قدم بڑھائے۔

''فیض ادھر آؤ.."قاسم چاچو نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اسے پکارہ

وہ اپنے دل پر بوجھ اٹھائے بھاری قدموں سے جا رہا تھا۔آواز پر اسے مجبوراً تھمنا پڑا۔وہ بے دلی سے مڑہ۔

یہ آلو۔۔اس کا پتا ہے تمہیں۔ قاسم چاچو جوش بھرے لہجے میں گل سے کہہ رہے تھے یقیناً وہاں پر سب بچوں کی برائیاں ہو رہی تھیں اور اب ان کا موضوع گفتگو فیض تھا۔۔اوہ نہیں۔۔۔۔

یہ آلو بچپن میں اتنا موٹا۔(انہوں نے منہ پھولا کر بتایا۔) جیسے آلو نہیں ہوتے گول گول بالکل ویسا۔ تبھی میں نے اس کا نام آلو رکھا۔وہاں سب کے قہقہے بلند ہوئے تھے۔یہ پہلے کھاتا تھا مٹی۔ ٹھیک ہے، ہم نے کہا بھائی یہ تو نورمل ہے سب بچے کھاتے ہیں۔ پھر یہ جناب دیواروں سے پینٹ اکھاڑ کر کھانے لگے۔ فیض نے بے اختیار آنکھیں میچیں۔ گل اور ساحل پوری توجہ سے ان کی بات سن رہے تھے۔ باقی سب کا دھیان بھی انہی کی طرف تھا۔

میں نے بہت ڈانٹا، لیکن نہیں سنتا تھا۔ پھر ایک دن اس نے کھایا سیمینٹ۔ گل اور ساحل کے لب بے اختیار اوہ میں سکڑے۔ جیسے ہی سیمنٹ کھایا۔ منہ بند اس کا۔ آلو جتنا بڑا منہ اس نے مزید پھلا لیا۔

تبھی حسن کی نظر سامنے ایک کمرے کی بالکنی میں گئی وہاں اندھیرہ تھا لائیٹس اوف تھی لیکن کوئی مرد کھڑا تھا فون کان سے لگائے۔ حسن نے پہلے غور کیا اور پھر جیسے پہچاننے پر اسے نیچے آنے کا اشارہ کیا سامنے والے نے آنے کا اشارہ کیا تو حسن واپس ان سب کی جانب متوجہ ہوا

پھر جب پوچھ رہا ہوں کہ کیا ہوا۔ تو حلق سے آواز نہیں نکل رہی۔ میں یہ بھاگا ڈاکٹر کی طرف۔ ڈاکٹر نے کہا کہ کوئی بات نہیں۔ اس نے بس سیمینٹ کھایا ہے اور یہ آئیرن کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ میں نے کہا یہ لو بھائی اب بچوں کو بھی استری کریں ہم۔۔ قاسم چاچو کے انداز پر سب ہنس پڑے۔ لیکن پھر ڈاکٹر نے مجھے سمجھایا تو پھر جا کر کہی میں نے سانس لیا۔

لیکن ان دنوں ہمارے گھر کا کام چل رہا تھا۔ اب کہ ان کا انداز رازدارانہ تھا۔ اور کام کرنے والے مجھے روز شکایت کرتے تھے کہ بھائی ہر روز سیمینٹ کی ایک بوری غائب ہو جاتی ہے۔ سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی۔ قاسم چاچو نے کمر پر ہاتھ رکھے اور پورہ رخ سامنے پورے قد کے ساتھ کھڑے فیض کی طرف کیا۔ وہ بوریاں گئی تو گئی کہاں؟؟ یہ راز ابھی تک راز ہے۔۔

Clubb of Quality Content!

میں نے نہیں چرائیں۔۔ بے چارہ فیض ڈر ہی گیا تھا۔ مجھ پر الزام نہ لگائیں چاچو۔ اتنا سارہ سیمنٹ کھاتا تو مر نہ جاتا۔ سب کی نظروں کا رخ اپنی جانب ہوتے دیکھ وہ بے چارہ ڈر ہی گیا تھا

اور اس کی رونی صورت دیکھ سب سے پہلے گل ہنسی تھی اور پھر وہاں بیٹھے سب لوگ ایک ساتھ ہنسے تھے۔ فیض منہ چڑھائے کھڑہ رہا۔ مجھے آپ لوگوں سے بات نہیں کرنی۔ وہ جانے کیلئے مڑہ تھا کہ حسن نے اسے بازو سے پکڑہ۔ اڑے اڑے بس یار کیا ہو گیا ہے مذاق تھا

مذاق تھا ہونہہ۔وہ خفا رہا

اڑے حسن ادھر لاؤ اس موٹے آلو کو۔ایک چھپیڑ لگا کر اس کی ناراضگی دور کروں میں ذرہ۔
قاسم چاچو اس کے چونچلے پر تپ ہی گئے تھے

اڑے میرے بیٹے کو تنگ مت کرو۔اشتیاق چاچو نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔اب یہ آلو ہے تو
ہے۔بار بار جتا کر کیا فائدہ۔

میں آپ سب لوگوں پر ہراسمینٹ کا کیس کروں گا۔فیض کا دل کیا وہ رو دے۔

ہاں ہاں کر دینا دیکھ لیں گیں۔ابرار بے نیازی سے بولے

چھوڑیں بھائی۔اس نے حسن سے بازو چھڑانا چاہا لیکن ناکام۔۔وہ خود ہنس ہنس کر دوہرہ ہو رہا
تھا لیکن فیض کا ہاتھ نہیں چھوڑنا۔

کھڑے رہو موٹے آلو۔حسن اسے باز رکھتے ہوئے بولا۔

فیض نے بے چاری سی شکل بنا کر حسن کو دیکھا جیسے ابھی رونے لگے گا۔لیکن حسن نے اس کی
شکل دیکھی اور اگلے ہی لمحے وہ فیض کے کندھے پر سر رکھے ہنستا گیا۔وہ محظوظ ہوا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس نے ماں کو مدد طلب نظروں سے دیکھا۔ لیکن ماں نے بھی کندھے اچکائے جیسے کہا ہو میرہ بیچ میں کیا کام۔

تبھی عقب سے میسم اور بشر چلتے ہوئے آئے۔ کیا ہو رہا ہے۔ بشر نے فیض کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا

فیض کی بے عزتی۔ قاسم چاچو بولے

اب وہ دونوں بھی مل کر اس کے گال کھینچ رہے تھے۔ کبھی اسے گدگدی کرتے۔ اشارے سے گل کو بھی اپنے پاس بلایا گیا۔ اب وہ بھی ان سب کے ساتھ مل کر ہنس رہی تھی۔ بات کا رخ شاید موڑ دیا گیا تھا۔ اب میسم ہاتھ جھلاتے ہوئے کوئی مزیدار قصہ سنا رہا تھا۔ اور سب کے چہروں کے تاثر بار بار تبدیل ہوتے، کبھی حیران تو کبھی خوش۔

کل کے پلان کی تیاری پوری ہے؟ ابرار نے جھک کر قاسم سے سرگوشی کی۔

قاسم نے ایک نظر سامنے کھڑے حسن کو دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کیا گیا۔ حسن نے اثبات میں سر ہلایا

قاسم نے بھی وہی کیا۔جی بھائی صاحب تیاری مکمل ہے۔ابرار محظوظ سے ہو کر ٹیک لگا کر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھے۔کل ہک ہاں۔مزہ آنے والا تھا

اب وقت کو تھوڑہ پیچھے موڑ کر واپس اندھیر بالکنی میں کھڑے فون کان سے لگائے اس مرد کی طرف آؤ تو وہ کچھ کہہ رہا تھا

"تم نے لندن کے بزنس کے کاغذات پر بشر میر نام کیوں لکھوایا ہے۔کیا تمہیں اندازہ بھی ہے کہ اس بات کا کیا انجام ہو گا۔وہ کیا حال کرے گا تمھارہ۔تم پاگل ہو گئے ہو؟؟"سامنے والے کی آواز میں غصہ تھا اور دباد با خوف بھی

"اواواو کول۔۔۔میں تو معصوم ہوں کیا مجھ پر کبھی کوئی شک کر سکتا ہے؟" بالکنی میں کھڑہ مرد مطمئن سا بولا

تم مجھے چھوڑ اور اپنے بیٹے کو سمجھالو۔ایسا نہ ہو کہ میرے ہاتھوں مارہ جائے۔اب کہ اس کا لہجہ سخت تھا

یار۔۔۔تم بھی اس کے منہ نہ لگا کرو۔وہ تو بچہ ہے چھوڑ دو۔سامنے سے تحمل کا مظاہرہ کیا گیا

بچہ نہیں ہے وہ سمجھے۔وہ دباد باغرایا۔اوراسے بچہ سمجھنے کی غلطی بھی مت کرنا۔مجھے نہیں لگتا کہ حقیقت جاننے کے بعد وہ تمھارہ بھی سگہ رہے گا۔

کیا کہہ رہے ہو۔میرہ بیٹاہے وہ،میرہ خون،میرے مشکل وقت کااساسہ۔سامنے اعتماد تھا

مشکل وقت سے اگر تمھاری مراد تمھارے اعمال نامے کے کھلنے کاہے توتم غلط ہو۔وہ کبھی تمھارے ساتھ کھڑہ نہیں ہوگا

تمھارہ مسئلہ کیاہے آخر۔تم کیوں میرے بیٹے کے پیچھے پڑ گئے ہو،اور مجھے بھی میرے بیٹے سے بد گمان کرناچاہ رہے ہو۔وہ اتنابرہ نہیں ہے۔اس سے اچھاگمان رکھو۔سامنے والا خفاہوا تھا

وہ میرہ راز جان گیاہے،"وہ میسم میر کاراز جان گیاہے۔"اس نے اپنی بات پر زور دیا۔تمہیں لگتاہے میں اس کی طرف سے کوئی اچھاگمان رکھ سکتاہوں۔"میرے لیئے اب وہ ایک زخمی دشمن ہے۔جس کے زخم ناسور بن چکے ہیں۔جسے میری بے رحمی نے نڈر بنادیاہے۔اوراب اس کے پاس میرہ رازہے۔میں تواب اس کے فرشتوں پر بھی رحم نہ کھاؤ"

تم میرے بیٹے کو کچھ نہیں کروگے۔سامنے والے کواب صحیح معنوں میں تشویش ہوئی تھی

اندھیرے میں کھڑہ ہیولہ مسکرایا۔ تم اس کا سودہ کر چکے ہو اختر خان۔

میں نے کب کیا اپنے بیٹے کا سودہ۔ وہ حیران تھا

ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے جو تمہیں خبر دی۔اس پر تم نے مجھے منہ مانگی چیز دینے کو کہی۔ اور میں نے تم سے تمھارہ بیٹا لے لیا۔ وہ اول نہیں بلکہ آخری درجے کا مکار تھا

تم ایسا نہیں کر سکتے، ہماری ڈیل یہ نہیں تھی، میسم میری بات سنو۔ تم نے اگر میرے بیٹے کو کچھ کیا تو میں تمھاری جان لے لوں گا۔ وہ ابھی بھی چلا رہا تھا۔ لیکن اس شخص نے فون کاٹ دیا۔ بٹن دبا کر اس بدھے کی پیڈ موبائل کو اوف کیا اور وہی صوفے پر اچھال کر وہ باہر کو جانے لگا۔"اس کی چال میں فتح تھی، آنکھوں میں بے رحمی اور مسکراہٹ میں مکاری.. وہ چلتا پھرتا شر تھا.."

★★★

سردیوں کی یہ رات خاموش تھی، سنسان، اور ٹھنڈی بھی۔ آسمان سے برستی نادیدہ شبنم نے سارے میں دھندھ پھیلا رکھی تھی۔ ایسے میں ہر گلی میں بنی مسجدوں سے ایک کے بعد دیگر اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوئی۔ کچھ نے صدا پر لبیک کہا تو کچھ سر منہ ڈھکے غافل رہے۔ چند

لمحے گزرے تھے کہ ہر طرف پرندوں کی چہچہاہٹ کی میٹھی آوازیں گونجی۔رات کی تاریکی میں ہلکی ہلکی روشنی ظاہر ہونے لگی۔آسمان جامنی، گلابی، سیاہ اور نیلے رنگ کے تاثر ایک ساتھ دیتا تھا۔وہ منظر ایک مکمل منظر تھا ایک خوبصورت منظر۔

ایسے میں ایک عالیشان بنگلے کا بڑہ سا دروازہ کھلا۔اور چند سیکینڈز میں اس گیٹ سے بڑی سیاہ گاڑیاں نکلی۔پہلی سیاہ رنگ کی پراڈو زن کر کے نکلی، پھر دوسری گاڑی، پھر تیسری گاڑی، پھر چوتھی اور آخر میں پانچویں گاڑی نکلی۔اسلام آباد کی سڑکوں پر وہ گاڑیاں دوڑتی ہوئی جا رہی تھی، ہواؤں سے لڑتی ہوئی، اپنے آپ میں اڑآن بھرتی وہ گاڑیاں ایک نئ منزل کی جانب رواں دواں تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

★★★

رات کی سیاہی مکمل سمٹی اور ایک نئ صبح کی پہلی دھوپ نمودار ہوئی، ایک نئ خوبصورت صبح، ایک نئ امید، ایک نئ زندگی، اور ایک نیا راز۔ یہ صبح میر منزل میں کچھ دیر سے طلوع ہوئی تھی۔گھر کے بچے اور عورتیں ابھی ابھی اٹھے تھے۔رات کی تھکن کی وجہ سے وہ لوگ سوتے ہی رہے۔

بڑی امی، بڑے ابا، بابا، چاچو، حسن بھائی، میسم بھائی، بشر بھائی اور فیض بھائی سب کہاں ہیں؟

کچن میں کھڑہ عذیر ہاتھ میں ایک کیوٹ ڈوگ ٹوئے لیئے معصومیت سے کلثوم سے پوچھ رہا تھا

کلثوم نے انڈے کو توڑ کر آمیضا فرائی پین میں ڈالا اور گرما گرم تیل اچھلا تو کچھ چھینٹے بلند ہوئی، اور سارے میں انڈے کی خوشبو پھیلی

وہ سب لوگ گاؤں گئے ہیں، کسی کام سے۔وہ مصروف سی بولی

کون سے گاؤں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

ڈاڈر۔

وہ کہاہے۔اس کے سوال ناختم ہونے والے تھے۔کلثوم کو حسن یاد آیا وہ بھی ایسے ہی ڈھیر سارے سوال پوچھتا تھا

دور ہے

تو پھر وہ ہمیں کیوں نہیں لے کر گئے۔اسے دکھ ہوا

کلثوم نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔فرائی پین سے انڈہ نکال کر پلیٹ میں رکھااور عذیر کو تھمایا۔وہ جو کچھ پوچھنے والا تھا۔انڈے کو دیکھ خاموش ہو گیا۔اور وہاں سے چلا گیا۔

افف حسنہ تمھارے تینوں بچوں نے مجھے اچھا خاصا تپایا ہے۔کلثوم تاسف سے بولی۔

آٹا گوندتی حسنہ مسکرائی۔اب بڑی امی کا بھی کوئی تو فرض بنتا ہے۔وہ مسکرا کر بولی۔یاد ہے بشر کس طرح میرا کو تنگ کرتا تھا۔وہ ہنس دی

کلثوم بھی ہلکا سا ہنسی۔وہ تو چڑتی بھی نہیں تھی۔بلکہ اگر ہم لوگ کچھ بشر سے کہتے تو تپ جاتی تھی۔

"آخر کار۔بشر اس کا محبوب جو تھا.." حسنہ بولی۔اور آٹے سے لدھے ہوئے ہاتھ دھوئے

یاد ہے قاسم بشر سے کتنا جلتا تھا،اور ہم بھی اسے قاسم کی سوتن کہتے تھے۔وہ دونوں ہنسی اور پھر ان دونوں کی آنکھوں میں ایک ساتھ آنسوں آئے۔کلثوم نے روک لیئے انہیں عادت تھی آنسوؤں پر بند باندھنے کی۔لیکن حسنہ ویسی نہ تھی۔وہ رو دی ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسوں نکلے۔اور پھر ان کی سسکیاں بلند ہوئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کتنی اچھی تھی ہماری میرا۔ معصوم، شرارتی۔۔۔ وہ اور زور سے رونے لگی۔اور غصے والی بھی۔ کلثوم نے اضافہ کیا۔

کیا بگاڑہ تھا اس نے۔۔ کیوں اسے اتنی بے دردی سے مار ڈالا۔اس کا تو کوئی۔۔۔۔ آگے کے الفاظ جیسے حلق میں اٹک گئے۔ وہ زور زور سے رونے لگی۔ کلثوم نے انہیں گلے سے لگا لیا۔ چند لمحے یونہی گزرے۔

''آج سارے حساب ہو جائیں گیں۔ تم فکر کیوں کرتی ہو، اس کا قاتل اپنے انجام کو پہنچے گا۔ انشاءاللہ۔۔۔ کلثوم ان سے زیادہ خود کو تسلی دے رہی تھی

"خدا کرے گا کہ میرا کے قاتل اور اس کے ساتھیوں کو مرتے وقت پانی بھی نہ ملے۔ وہ تڑپ تڑپ کر مریں۔ان کے جسم کا سارہ خون بہہ جائے۔" وہ سسکیوں کے درمیان کس کو کوس رہی تھی۔اس سے ابھی وہ خود بھی لاعلم تھیں۔

آمین۔ کلثوم نے انگلیوں کے پوروں سے آنکھوں کے کنارے صاف کیئے۔

اب بس چپ کر جاؤ، بچے دیکھیں گیں تو پریشان ہوں گیں۔ وہ حسنہ کا کندھا تھپکتی وہاں سے چلی گئی

باہر آکر رخ گلریز کے کمرے کی جانب تھا۔ وہ دروازہ کھولے اندر گئی تو کمرہ خالی تھا، لیکن سارہ بکھرہ ہوا۔ کل رات کو پہنی گئی ہیلز ایک طرف رکھی تھی، کپڑے الگ بکھرے ہوئے تھے، میک اپ جیولری۔۔ کمرے کی ایسی حالت تو کبھی ان کے بیٹوں نے بھی نہیں کی تھی۔ پہلے وہ حیران ہوئی اور پھر زیر لب مسکرائی۔ ہاں انہیں یہ سب قبول تھا بس وہ ان کے ساتھ ہو۔۔ اور خوش ہو۔

تبھی وہ غسل خانے کا دروازہ کھولے باہر آئی۔ ڈھیلے ڈھالے سلوار کرتے میں ملبوس، دھلا دھلایا چہرہ۔ لیکن آنکھوں میں ہلکی سی سوجن تھی۔ ساحل سے الوداعی پر اتنا روئی جو تھی۔

میں نیچے آنے والی تھی ماں۔ وہ ان سے نظریں چرا کر بولی

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

تو کیا میں اوپر نہ آؤں۔ انہوں نے بازو سینے پر باندھ لیئے۔

ارے میں نے ایسا تو نہیں کہا۔ اس نے الجھے بکھرے بالوں کو گول مول کر کے جوڑہ بنایا، اور سنگھار میز پر رکھا ہیئر کلپ اٹھایا

مطلب تو یہی تھا۔ وہ اس کے پاس آئی، بالوں سے ہیئر کلپ نکالا۔ برش اٹھائے اب وہ نرمی سے اس کے بالوں میں برش کرنے لگی

گلریز جہاں تھی وہیں تھم گئی۔وہ صبح سویر یونہی بال باندھ لیتی تھی۔اماں اسے ڈانٹتی تھی، انہوں نے تو کبھی یوں خود سے بالوں میں برش نہیں کیا۔

کیااس گھر میں ایسی کوئی چیز ہے جو تمہیں بری لگتی ہے گل۔وہ اس کے شدید الجھے ہوئے بالوں کو آہستہ سے سلجھارہی تھی۔

یہاں پر سب اچھا ہے ماں، بلکہ بہت اچھا۔مجھے اتنے اچھے کی عادت نہیں۔وہ مایوسی سے بولی

ماں ہلکاسا مسکرائی۔اور یہاں کے لوگ؟

وہ بھی اچھے ہیں۔وہ تکان زدہ سے بولی۔۔ محبتیں اتنی مشکل سے کیوں ملتی ہیں ماں۔زندگی فیری ٹیل کی کہانیوں کی طرح کیوں نہیں ہوتی؟؟اس کی آنکھیں اب جلنے لگی تھی۔کیوں ہر نئی صبح اس کے زخم ادھیڑ دیئے جاتے تھے۔کیوں اسے ہر روز اپنے زخموں کو سیناپڑتا تھا۔ کیوں وہ مکمل ہیل نہیں کر پارہی تھی۔کیوں وہ ہر وقت خوش نہیں رہ پاتی۔کیوں؟؟کئی سوالوں نے ایک ساتھ اس کے دماغ پر حملہ کیا

توکیا فیری ٹیل کی کہانیاں آسان ہوتی ہیں؟ماں کو جیسے حیرانی ہوئی

ہاں۔۔ان کہانیوں میں سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔وہ تاسف سے بولی

ہاں وہ ٹھیک تو ہوتا ہے لیکن کب؟

گل نے سنگھار میز کے آئینے میں ابھرتا ان کا عکس دیکھا۔ ہلکے گلابی رنگ کے ٹو پیس میں ملبوس، بالوں کو ڈھیلے جوڑے میں باندھے، گلے میں شیفون کا ہم رنگ دوپٹا پہنے، نکھرے چہرے کے ساتھ مسکراتی ہوئی وہ کتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ اپنی عمر سے بہت ہی چھوٹی دیکھتی تھی۔ ان کا قد گل سے ذرہ اونچا تھا۔ وہ انہیں دیکھتی رہی۔ اور جلتی ہوئی آنکھوں کو کچھ راحت ملی

اب دیکھو فیری ٹیل میں سب لوگ اینڈ نگ دیکھتے ہیں کہ بھائی ہیپی انڈ نگ ہوئی لیکن کوئی وہ مشکلیں یاد نہیں رکھتا جو شہزادی یا شہزادے پر گزری ہوتی ہیں۔ وہ اس کے بالوں کی چوٹی بنانے لگیں۔

شہزادی پوری کہانی میں کتنی بار روتی ہے۔ کتنی اذیتیں سہتی ہے ہاں؟ انہوں نے گل سے جواب سننا چاہا گل اب ساری باتیں بھول، آنکھیں سکیڑیں کچھ سوچنے لگی۔ اسے ایسی پہیلیاں پسند تھیں کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔ "سنڈریلا بچپن سے جوانی تک اپنی سوتیلی ماں اور بہنوں کی خدمتیں کرتی ہیں اور ان کی ہر بات برداشت کرتی ہیں"

ماں نے ستائشی انداز میں سر کو خم دیا۔ بالوں میں ربڑ بینڈ باندھی اور اس کے سامنے آکر سنگھار میز سے ٹیک لگائے کھڑی ہو گئی۔ اب وہ انہیں دیکھ کر بول رہی تھی

"روپانزل کا سارہ بچپن اس قید خانے میں گزرتا ہے. وہ اپنے پورے بچپن میں کبھی دوست نہیں بنا پائی، اس نے کبھی کھیل نہیں کھیلے، وہ کبھی کھلی فضا میں نہیں گھومی وہ سالوں اپنے ماں باپ سے دور رہی" اس بات پر وہ کچھ اداس ہوئی

سنو وائیٹ پہلے برسوں سوتیلی ماں کی خدمتیں کرتی ہے اس کے بعد اپنی جان بچانے کیلیئے جنگلوں میں بھاگتی ہے وہ معصوم ہوتی ہے، اسے لڑنا نہیں آتا تھا۔ لیکن جنگل میں اسے کئی مشکلوں سے اکیلے لڑنا پڑتا ہے

ایلسا سے بچپن میں اس کے ماں باپ چھن جاتے ہیں۔ وہ اپنی بھن اور سلطنت کی حفاظت کیلیئے ان سب کو چھوڑ دیتی ہے۔ وہ پہلے ایک معصوم لڑکی تھی۔ لیکن حالات نے اسے سخت بنادیا

ہمم۔۔ماں نے گردن اثبات میں ہلائی۔حالات نے ایلسا کو ایک ایسی لڑکی بنایا جس سے وہ حکمرانی کر سکی۔وہ رانی بنی،اس نے اپنی سلطنت خود سنبھالی۔اب بتاؤ کیا فیر یٹیل کی شہزادیوں کی زندگی آسان تھی

گل نے نفی کی۔نہیں

"شہزادیوں کو سہنا پڑتا ہے ہجر،دکھ، مشکلیں،اکیلا پن،اور دنیا کے جھوٹ...."زندگی ہر کسی پر آہستہ آہستہ تنگ ہو جاتی ہے۔اور پھر جب ہمیں لگتا ہے کہ،ہم پوری طرح پھس گئے ہیں۔اب ہم ان مشکلوں سے نہیں نکل سکتے تو اللہ تعالیٰ ہمارے لیئے راستے بناتا ہے ان دیکھے راستے۔ماں کہہ رہی تھی۔لیکن یہ امید رکھنا کہ کوئی شہزادہ آکر تمہیں تمھارہ کھویا ہوا جوتا دے گا،تو تم غلط ہو۔اور کوئی آکر تمہیں اونچی قید سے نکالے گا،تو بھی تم غلط ہو۔تمہیں کسی شہزادے کا انتظار نہیں کرنا۔تمہیں ایلسا بننا ہے۔جسے کسی شہزادے کی ضرورت نہیں تھی۔ جو خود سروائیور ہے۔جسے حالات کو سنبھالنا آنا چاہیئے۔جو ڈھونڈھے،تلاش کرے۔اپنے آپ کو،اپنی طاقت کو،اور چھپے ہوئے رازوں کو۔آخری الفاظ انہوں نے سرگوشی میں کہے

گل ہلکا سا ہنسی۔آپ کو پتا ہے اگر کوئی مجھے میرہ جوتا لا کر دے گا اور کہے گا کہ مجھ سے شادی کر لو تو میں کیا کروں گی۔وہ آنکھوں میں شرارت لیئے ان سے پوچھ رہی تھی

ماں اس کے کان کے قریب جھکی۔ "تم وہی جوتا اس کے سر پر مارو گی، اور انکار کرو گی۔"

ماں کے کہنے پر اس نے زور زور سے اثبات میں سر ہلایا، "اور وجہ؟؟"

وجہ یہ کہ وہ اسی کے لائق تھا۔ بھلا نوکروں کے ہاتھوں جوتا بھیج کر گھر گھر ڈھونڈھوانے سے بھی لڑکی ملتی ہے کیا۔ وہ ہڈ حرام شہزادہ اسے خود جا کر بھی تلاش کر سکتا تھا۔ اس کے چہرے سے بھی پہچان سکتا تھا۔ ماں کچھ کچھ غصے میں بولی۔

"اور جو میرے لیئے اتنی ایفرٹس بھی نہیں کر سکتا کہ خود آکر ڈھونڈھے۔ بجائے اس کے کہ اپنے نوکروں کو بھیجے۔ تو میں اس پر اس کے نوکروں کو فوقیت دوں گی۔" آہ کیا شان بے نیازی تھی اکیسویں صدی کی سنڈریلا کی

اور پھر وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مارے قہقہے لگا کر ہنس دی۔ آج کی کلثوم اور گلریز دونوں ایک جیسی تھی۔ ہاں تیس سال پہلے والی کلثوم کچھ اور تھی

کچھ دیر بعد وہ دونوں ناشتے کی میز پر بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی، حسنہ چچی بھی ان کے ساتھ آبیٹھی

باقی سب لوگ کہاں ہیں۔ گل نے نوالہ لیتے ہوئے پوچھا

ماں نے حسنہ چچی کو دیکھا اور وہ دونوں ایک ساتھ ہلکا سا مسکرائی۔ گل بس ان دونوں کو ٹکر ٹکر دیکھتی رہی

اب ذرہ آنکھیں بند کر کے کھولو تو ہوائیں تمہیں ایک اور شہر لے جائیں گیں۔ یہ شہر کچھ جانا پہچانا تھا اس شہر کی نم ہوائیں، اپنے ہونے کا احساس دلاتی تھیں۔ وہاں کے پہاڑ پیڑ سب ویلکم بیک کہہ رہے تھے۔ ایسے میں اس شہر کو پار کرتے ہوئے ایک سنسان جگہ پر آؤ۔ جہاں ہائی وے کے دونوں اطراف میں جنگل ہی جنگل تھا۔ ایسے میں چائے والے کی چائے کو بمشکل نظر انداز کرتے ہوئے دائیں جانب مڑو، تو تین چار میل چلنے کے بعد ایک بڑہ سا کارخانہ دیکھائی دے گا۔ جس کی اونچی مٹیالی دیواریں اپنے پرانے اور غیر ضروری ہونے کا احساس دلاتی تھی۔

Clubb of Quality Content

سلاخوں والا بڑہ سا کالا لوئی گیٹ کھلا ہوا تھا۔ اندر چار سیاہ گاڈیاں کھڑی تھیں۔ وہی جو اندھیرے میں السلام آباد سے نکلی تھیں۔ ارد گرد کئی گارڈز بھی کھڑے تھے، ہاتھوں میں بڑی بڑی بندوقیں لیئے، چوکنے سے۔ احاطے میں سوکھے، ٹوٹے ہوئے پیڑ بھی پڑے تھے۔ پتے اور مٹی ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہاں سالوں سے کوئی آیا ہی نہیں تھا۔

وہاں جو حیران کن بات تھی وہ اس وقت ان سوکھی لکڑیوں اور ٹہنیوں پر لگا تازہ خون تھا۔ایسا لگتا تھا جیسے یہاں پر کسی کو مارہ پیٹا گیا ہو۔ لیکن کسے ؟

تبھی وہاں پانچویں گاڑی آئی، گاڑی سپیڈ سے چلتی سیاہ گیٹ کو پار کرتے ہوئے آئی۔زن کی آواز سے بریک لگا۔ پیچھے کے دو ٹائیرز تھوڑے اونچے ہوئے اور پھر گرے۔ مٹی،اور دھول ہوا میں اڑی۔گارڈز میں سے ایک نے بڑھ کر پچھلی نشست کا دروازہ کھولا تو وہاں سے پہلے ایک مرد نکلا۔سیاہ گول گلے اور آدھی آستینوں والی پولو شرٹ پر سیاہ ہی پینٹ پہنے۔چہرے پر ماسک لگائے وہ کوئی خوبرو مرد تھا۔اس نے گاڑی میں بیٹھے مرد کو بازو سے پکڑ کر باہر نکالا، اس کے چہرے پر کالا کپڑا تھا،ہاتھ رسی سے آگے کو بندھے ہوئے۔اور پھر تیسرہ مرد نکلا جس نے رسیوں میں بندھے مرد کو گردن سے پکڑا اور آگے لے جانے لگا۔اس کا حولیہ بھی بالکل پہلے والے مرد کے جیسا تھا۔

(وہ سب لوگ آج شکار پر گئے ہیں بچے۔حسنہ چچی نے گل سے کہا)

رسیوں میں جکڑے مرد کا ایک بازو زخمی تھا جس سے خون بہے جا رہا تھا۔وہ خود کو چھڑانے کی تگ ودو کرتا تو ساتھ چلتا مرد اس کے زخم کو زور سے دباتا ایسے کہ اس کی انگلیاں زخم میں گھستی جاتی،اس مرد کی چیخیں بلند ہوئی۔ "کچھ تو رحم کھاؤ مجھ پر حسن" وہ مرد درد سے چلایا۔

"تم نے رحم کیا تھا مجھ پر، میرے ماں باپ پر۔ تم نے تو خود انہیں اپنی آنکھوں سے تڑپتے دیکھا تھا۔" اس نے دانت بھینچ کر بولتے ہوئے اس کے زخم میں گاڑی ہوئی انگلیاں نکالی۔ جو خون سے بھر چکی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ جھٹکا۔ اور وہ دونوں اسے سیڑھیوں سے اوپر کی طرف لے کر آئے۔ جہاں کئی بڑی بڑی زنگ آلود مشینیں تھی۔ سامنے ہی ایک مرد کرسی پر بندھا پڑہ تھا بری طرح سے جکڑہ ہوا، اس کا آدھا وجود کرسی سے نیچے کو گرہ ہوا تھا، اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ اور سر سے خون کی ایک پتلی دھار نکلتی جس کے قطرے زمین پر گر رہے تھے۔

باندھو اسے۔۔ میسم نے اسے گردن سے پکڑ کر فیض کی جانب پھینکا۔ جو اسے پکڑ کر اب دوسری کرسی پر باندھنے لگا تھا۔ ان دونوں نے اپنے منہ سے ماسک کھینچ کر نکالا

"کیا یہ تمہیں حفیظ کی بتائی ہوئی جگہ پر ہی ملا." سیاہ ڈنر سوٹ پہنے اشتیاق پوچھ رہے تھے۔ ان کے تاثرات سخت تھے، آنکھوں میں سفاکی، اور جبڑے بھینچے ہوئے۔

ساتھ ہی ابرار اور قاسم بھی کھڑے تھے ان کا حال بھی کچھ مختلف نہ تھا۔

ریلوے اسٹیشن پر ملا ہے یہ کم ظرف۔ حسن ماتھے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے بولا۔اس کی سانسیں پھولی ہوئی تھی۔حفیظ نے جھوٹ بولا

"ایک اور دو کھا۔۔۔۔۔۔ابرار چلائے اور جمے ہوئے ہاتھ کا ایک مکہ حفیظ کے جبڑے پر دے مارہ۔اس نے کرہ کر سامنے دیکھا۔میں نے۔۔۔سچ کہا۔۔وہ بس اتنا ہی کہہ سکا

حفیظ تم۔۔رسیوں میں جکڑہ مرد بولا۔اس کے چہرے پر ابھی تک سیاہ کپڑہ تھا۔تم نے بتادیا نہ انہیں۔اچھا ہوا کہ میں نے تجھے سچ نہیں بتایا۔تم پر بھروسہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ گھٹیا انسان۔۔وہ چلارہا تھا

"اور تجھ پر بھروسہ کرنا میرہ سب سے بڑہ گناھہ۔"ابرار اس سے زیادہ تیز آواز میں چلائے۔

(کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔حسنہ چچی کی بات پر گل الجھ کر بولی۔

وہ تمھارے مجرموں کا حساب کتاب لینے گئے ہیں بیٹا۔ماں مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ان کے انداز میں فخر تھا)

قاسم نے بڑھ کر اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا۔چند پل کیلئے سارہ منظر دھندلا پڑہ، لیکن اگلے ہی پل سب ظاہر ہوا۔کھڑکیوں سے آتی سورج کی تیز روشنی میں اسے اپنی نیلی آنکھیں

سکیرٹنی پڑی۔اوراس کے اصل ہوش تواب اڑے تھے۔وہ اختر خان تھا۔حفیظ کی بھن کا شوہر،فیروز ساحل اورایمان کا باپ۔ کہیں تم اسے بھولے تو نہیں؟؟

اس کے سامنے قاسم میر کھڑہ تھا جس کا چہرہ اسے خواب میں بھی ڈرا دیتا تھا۔پیچھے ابرار تھا ،اشتیاق،بشر،فیض،میسم، حسن۔اس کے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔آج اس کا جنازہ تھا یہ تو طے ہوا۔اوراس کی لاش کتوں کو بھی نہیں ملے گی۔وہ سمجھ چکا تھا

ابرار نے آگے بڑھ کر اسے گردن سے دبوچا۔میں نے تمہیں اپنادوست مانا اختر خان۔ایک بہترین ساتھی۔ تمھاری ہر غلطی کے بعد بھی میں نے تمہیں معاف کیا۔اور تم نے میرے ساتھ کیا کیا۔وہ چبا چبا کر کہہ رہے تھے۔تم نے پہلے میری بچی کو حفیظ کے ہاتھوں اگواہ کروایا۔پھر میرے ساتھ مل کر اسے ہر جگہ پر ڈھونڈتے رہے۔تم نے مجھے کبھی اس تک پہنچنے نہیں دیا۔اس سے بیس سالوں تک دور رہنے کی وجہ تم ہو۔۔۔اب وہ چلا رہے تھے۔ اختر کی آنکھوں کی ڈوریں سرخ پڑی،اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔جب مجھے اس کا پتا ملتا تم اسے وہاں سے غائب کروادیتے تھے۔تم اس لیئے میرے ساتھ تھے نہ کہ میں اسے ڈھونڈھ نہ سکوں۔۔۔۔اس کی گردن پر ابرار کی گرفت سخت سے سخت ہوتی گئی۔ قاسم اور اشتیاق نے انہیں پیچھے ہٹانا چاہا۔

میں آج تمہیں جان سے مار دوں گا۔ شدت جذبات کی وجہ سے ان کی آواز کانپی۔

قاسم نے ان کی کمر میں ہاتھ ڈالے انہیں پیچھے کرنے کی کوشش کی۔

میں تمہیں زندہ جلا دوں گا۔ وہ اپنے دونوں بھائیوں کی گرفت میں پھر پھرا رہے تھے۔ حسن ان کے سامنے آیا، بابا ریلیکس۔ ہم دیکھ لیں گیں آپ بیٹھ جائیں۔

بیٹھ جائیں آپ۔۔ فیض دوڑ کر نیچے سے پانی لایا اور انہیں پلانے لگا۔ وہ لمبے لمبے سانس لیتے کرسی پر بیٹھے۔ کوٹ کھینچ کر اتارہ۔ اور دور پھینکا۔ شرٹ کے اوپری دو بٹن کھول دیئے۔ جبڑے بھینچے ہوئے اور آنکھوں میں ابھی تک خون تھا۔

(میرہ اصل مجرم کون ہے۔ گل بہت دیر بعد بولی۔

"اختر خان۔

گل کے ہاتھ لرزے۔ اس نے حیرانی سے ماں کو دیکھا۔ اس کی نظروں میں بے یقینی تھی۔

وہ میرہ کزن ہے۔ ماں بولی تھی۔ اور مجھ سے کچھ پرانے اختلاف بھی ہیں، جن کی وجہ سے اس نے یہ سب کیا۔

ساحل جانتا تھا۔اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

شاید نہیں۔ماں بولی۔

لیکن گل ابھی تک بے اعتبار تھی)

ڈرو اس وقت سے جب تمھاری اولاد کو تمھارے اعمال کا پتا چلا۔ میسم اسے دیکھ چبا چبا کر بولا۔

اعمال تو تمھارے خاندان کے بھی کچھ اچھے نہیں۔وہ نیلی آنکھوں میں ہر ڈر کو چھپاتے ہوئے بولا۔سانس اب بھی حلق میں اٹکا تھا لیکن ہار نہیں ماننی تھی یہ طے تھا۔

تبھی بشر نے ایک زوردار مکہ اس کے جبڑے پر مارہ۔خون کے کچھ چھینٹیں اڑے۔وہ خون تھوکتے ہوئے مکاری سے مسکرایا

اور ایک نظر سامنے سے اپنی طرف آتے حسن کو دیکھا۔"مجھ سے بڑے مکار اور۔۔وہ رکا جسم کا ہر عضو درد کرنے لگا تھا۔اور دو کھے باز۔۔ تمھارے گھر میں ہیں حسن میر۔۔۔۔"یہ آگاہی تھی یا پھر شر حسن سمجھ نہیں پایا

اپنی بکواز بند رکھو۔اور ڈرو اپنے اب کہ انجام سے۔ میسم چلایا

میرہ انجام۔۔۔۔وہ ادمرہ آدمی قہقہہ مار کر ہنسا۔میرہ انجام موت ہے،سب کا وہی انجام ہے۔۔۔۔اور میں اپنے انجام سے شروع سے واقف تھا۔۔۔۔وہ سانس لینے کو رکا۔

ابرار نے غور سے اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھا۔جن میں اب بھی کوئی ڈر نہیں تھا۔کوئی شرمندگی نہیں۔۔۔

ہاں ابرار میر میں نے تمھاری بیٹی کو اگواہ کروایا۔میں نے تمھارے ساتھ دوستی کا ناٹک کیا۔اور شہر شہر جا کر اسے تمھارے ساتھ ڈھونڈھا۔بلکہ اسے تم سے چھپایا۔وہ مکار آدمی کہے جارہا تھا۔وہ واقعی بے خوف تھا یا پھر کوئی چال تھی؟

وہاں کھڑے مردم سادھے اس کا اقرار سن رہے تھے۔ابرار کے دل کے کئی ٹکڑے ہوئے۔ بیس سالوں کی اذیت پھر سے تازہ ہوئی۔

اب آؤ۔۔مارو مجھے ابرار میر۔۔۔۔مارو۔وہ کہہ رہا تھا۔

پاس کی کرسی پر پڑہ حفیظ کب بے ہوش ہوا کسی کو خبر ہی نہیں تھی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ابرار کو چند پل لگے تھے فیصلہ کرنے میں۔وہ اٹھے اور قدم بڑھاتے ہوئے اختر کے عین سامنے کھڑے ہوئے۔چند پل اسے گھورنے کے بعد۔ایک زوردار ٹھوکر ماری اور وہ کرسی سمیت بہت بری طرح گرہ تھا۔کراہنے کی آواز سارے میں گونجی۔

وہ پنجوں کے بل بیٹھے اور اسے خون تھوکتے ہوئے دیکھنے لگے۔تم نے میری اولاد کو مجھ سے دور کیا تھا اختر خان۔وہ ہجر وقتی تھا ختم ہو گیا۔لیکن تم۔۔۔۔تم اب اپنے سارے جرائم کا اقرار کرو گے اور خود کو پولیس کے حوالے کرو گے۔۔۔۔

اختر نے گردن اٹھا کر انہیں دیکھا۔غلط فہمی ہے تمھاری۔

ابرار نے جبڑے بھینچے اور پوری طاقت سے اس کا سر فرش پر دے مارہ۔وہ کراہ کر رہ گیا۔

اور جب تک اقرار نہیں کرو گے ہماری قید میں رہو گے۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور پاس کھڑے گارڈز کو دیکھا۔اسے گاڈی میں ڈالو۔وہ کہہ کر جانے لگے

ابا۔۔۔۔وہ ایکدم سے اٹھ کھڑی ہوئی، ناشتہ جیسا تھا ویسا پڑہ تھا۔ وہ لوگ ابا کو تو کچھ نہیں کریں گیں نا؟ وہ رونے کو تھی

گل آرام سے۔۔۔بیٹھ جاؤ، فکر مت کرو۔ حسنہ چچی نے اسے پُر سکون کرنا چاہا

مجھے ان سے بات کرنی ہے۔۔وہ ہڑ بڑاتے ہوئے بولی، اس کے ہوش خطا تھے، وہ جیسے بے بس تھی، اس انسان کیلئے جسے اس نے بچپن سے اپنا باپ دیکھا تھا، وہ جھوٹا تھا لیکن گل کے جذبات تو سچے تھے نہ

وہ اپنے کمرے کی طرف دوڑی، اس نے بیڈ پر پڑہ اپنا موبائل اٹھایا اور کال ملانے لگی، اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے نا جانے کون سا خوف تھا جس نے ایک پل میں گل کی حالت بدتر کر دی تھی

بیل جا جا کر واپس پلٹتی، اس نے دوبارہ کال کی۔ لیکن کوئی جواب نہیں۔ اس نے حسن کو کال ملائی، اس نے بھی نہیں اٹھایا۔ وہ ہذیانی انداز میں کال ملاتی جا رہی تھی۔

اور بالآخر اس کی کال اٹھالی گئی۔ میں بعد میں بات کرتا ہوں۔ سامنے سے حسن کی مصروف آواز آئی

بھائی میری بات سنیں۔۔۔ایک بار پلیز۔۔۔

وہ جو کارخانے کے احاطے میں کھڑہ فون کان سے اتار رہا تھا کہ اس کے انداز پر تھم سا گیا۔

کیا ہوا ہے

آپ۔۔۔آپ لوگ کہاں ہیں۔

مانسہرہ میں۔

ابا۔۔۔۔وہ آگے کچھ کہتی کہ پیچھے سے ایک آواز پر تھم گئی۔

"بھائی۔۔۔۔وہ حفیظ بے ہوش ہو گیا ہے، یا شاید مر گیا ہے اس کا کیا کریں۔فیض چلا چلا کر اسے بتا رہا تھا

حسن نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ کروایا۔اس کی پوری توجہ اس وقت گل پر تھی۔ اس کا انداز آج کچھ عجیب تھا

گل کا دل رک رک کر چلنے لگا۔ابا کو کچھ مت ہونے دینا بھائی۔۔۔پلیز۔۔۔۔۔۔وہ کہہ کر اب رونے لگی تھی۔پلیز بھائی انہیں کچھ مت کرنا۔پلیز۔۔۔۔وہ چاہے میرے باپ نہ

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہوں۔لیکن میں نے ہمیشہ انہیں اپنے باپ کے طور پر دیکھا ہے۔انہیں چھوڑ دیں بھائی پلیز۔۔۔۔

تمھارہ دماغ خراب ہو گیا ہے گل، پاگل ہو گئی ہو۔وہ چلایا تھا۔ہم کیسے چھوڑ سکتے ہیں اسے۔ جس نے تمہیں اغواہ کیا، جس نے بابا پر گولیاں چلائی، میں کیسے جانے دوں اسے۔۔۔۔

پلیز بھائی۔۔۔۔۔وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔انہیں کچھ مت کرنا پلیز۔۔۔۔

حسن نے غصے سے لب بھینچے اور کال کاٹ دی۔وہ اس وقت اپنے آپ کو ایک بے بس انسان سمجھ رہا تھا۔ بلکل ویسے جیسے وہ بیس سال پہلے ہوا تھا۔جب وہ حفیظ بخش اس سے اس کی بھن لے گیا تھا۔اور وہ اس کے ساتھ کچھ نہیں کر سکتا تھا

اس نے گاڑی کی ڈھکی کھولی پیٹرول سے بھرہ ہوا ڈبا نکالا۔اور حفیظ کی کرسی کے عین سامنے آ کھڑہ ہوا۔وہ خون میں لت ہاتھ بے ہوش پڑہ تھا۔ حسن نے پیٹرول کا بھرہ ہوا پورہ ڈبا حفیظ پر اچھالا۔وہ جو بے سد تھا اچانک سے اس نے آنکھیں کھولی۔پیٹرول کی بدبو نے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔وہ پہلے چونکا اور پھر سمجھ آنے پر اس نے گردن جھکا دی۔

جلادو مجھے اسی لائق ہو میں۔۔وہ بس اتنا ہی بول سکا

حسن نے غصے میں ڈبہ وہی پھینکا۔ تمہیں زندہ چھوڑ رہا ہوں تاکہ تم سے راز نکلوا سکوں۔ لیکن اگر تم نے ایک بھی جھوٹ بولا تو مجھ سے برہ ویسے بھی کوئی نہیں۔

وہ اسے وہی ادمری حالت میں چھوڑ جانے لگا۔ باقی سب لوگ جا چکے تھے۔اس نے بھی اپنی گاڑی نکالی، اور اب وہ گاڑی سو کی اسپیڈ سے سڑک پر اڑتی ہوئی جا رہی تھی۔ وہ کون سی سڑک پر کس جانب جا رہا تھا اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ ذہن جیسے سن ہو گیا تھا۔ غصہ حد سے زیادہ تھا۔اسٹیر نگ پر ہاتھ زور سے جمائے وہ ضبط کے آخری مراحل پر لگتا تھا۔ جس شخص کی جان اس نے بخشی تھی وہ اس کا سب سے بڑہ گناھگار تھا۔اور وجہ تھی گل۔ کئی بدگمانیاں تھی جو اس کے دل کو جھنجھوڑ رہی تھی۔اس نے ضبط سے آنکھیں میچ کر کھولی، لمحوں کا کھیل تھا سامنے اچانک سے کسی کتے کا بچہ آ گیا۔اس نے ایک دم سے بریک لگائی۔ گاڑی الٹی ہوتے ہوئے بچی۔

اوہ خدایا۔۔۔ وہ دروازہ کھول باہر نکلا۔ ٹائر کے قریب وہ کتا سہا ہوا تھا۔ وہ سفید اور بھورے رنگ کا چھوٹا سا بچہ تھا۔ حسن نے اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا۔اور سہلانے لگا۔اسے کتے بہت پسند تھے لیکن ماں کو نہیں۔اس لیئے وہ کبھی اپنے گھر میں کتا نہیں پال سکا

آئم سوری میں دیکھ نہیں سکا دوست۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔اور اسے نیچے اتارہ۔

اچانک حسن کی نظر اس کے پیر پر پڑی جس پر خون لگا تھا۔وہ حیران ہوا۔اس نے کتے کے پیر کو دیکھا وہاں کوئی چوٹ نہیں تھی لیکن خون تھا۔

وہ کتے کا بچہ اس سے الگ ہو کر دائیں جانب جانے لگا۔جس طرف جنگل تھا۔ حسن بنا کچھ سوچے اس کے پیچھے گیا۔پیڑوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے،وہ تھوڑہ آگے کو چلا۔تو وہاں ایک بھورے رنگ کا کتا بیٹھا تھا جس کے ارد گرد اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ٹہل رہے تھے۔اسی کے پاس ایک بلیو جیکٹ بھی پڑی تھی۔وہ بچہ بھی انہی کے ساتھ مل گیا۔

اس نے نظر گھمائی اور پھر جو منظر اس نے دیکھا وہ اس سے نظر نہیں ہٹا سکا۔وہ اوندھے منہ پڑہ کوئی لڑکا تھا جس کی پیٹ اور ایک ٹانگ خون آلود تھی یقیناً اسے گولی لگی تھی۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

حسن نے بڑھ کر اسے سیدھا کیا۔اور پھر جو صدمہ اسے لگا وہ بہت بڑہ تھا۔آدھا منہ کھولے بمشکل سانس لیتا وہ لڑکا ساحل تھا۔وہ جو کل رات ان کے ساتھ بیٹھا ہنس رہا تھا۔جو خوشی خوشی سب سے الوداعی لے کر اپنے گھر کو نکلا تھا۔ابھی وہ اس کے سامنے مرنے کے قریب تھا۔یہ زندگی بھی کتنی جلدی نیا موڑ لے لیتی ہے۔

حسن نے اس کا گال تھپکا۔ساحل اٹھو۔مجھ سے بات کرو،

ساحل نے نقاہت زدہ سی آنکھیں کھولی، وہ بے ہوش نہیں تھا، درد کی شدت نے اسے بے حال کر دیا تھا۔ وہ پوری آنکھیں نہ کھول سکا

حسن نے اسے اکھٹرہ کرنا چاہا۔ ہمت کرو ساحل اٹھو، کوشش کرو۔

وہ اسے کندھے کا سہارہ دے کر گاڑی تک لے آیا۔ اور پیچھے کی سیٹ پر بیٹھایا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور پھر اندازہ ہوا کہ وہ شہر سے کتنا دور آچکا تھا۔

اس نے گہری سانس بھری ماتھے سے پسینہ صاف کیا اور اگلے ہی لمحے وہ ایک بار پھر اس گاڑی کو بھگاتے ہوئے اپنے منزل کی جانب رواد وا تھا۔ کوئی اور راستہ نہیں تھا۔

Clubb of Quality Content!

★★★

ساحل ابھی تک گھر کیوں نہیں پہنچا؟؟

سہن میں چارپائی پر بیٹھی صبیحہ سر پر ہاتھ رکھے روتے ہوئے بار بار یہی کہتی۔ آجائے گا اماں، فکر نہ کریں۔ ایمان نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی، ساتھ ہی وہ موبائل پر بار بار ساحل کا نمبر لگاتی لیکن جواب نہ آتا۔

تبھی اپنے کمرے سے فیروز نکلا، گیلے بالوں کو ٹولیئے سے خشک کرتا وہ نہا کر نکلا کہی جانے کیلئے تیار تھا۔ فکر نہ کریں اماں، وہ ابا کے ساتھ ہو گا۔ بالآخر ان کا لاڈلا جو ٹھہرہ۔ وہ بے فکری سے کہتا سہن میں لگے آئینے کے سامنے آ کھڑہ ہوا۔

ایمان اور صبیحہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ توں سچ کہہ رہا ہے۔ وہ تیرے ابا کے ساتھ ہی ہے؟

ارے ہاں اماں۔ وہ بے زاری سے کہہ کر باہر نکل گیا۔ پیچھے ان دونوں نے سکون کا سانس لیا۔

لیکن اس کا نمبر کیوں نہیں لگ رہا۔ ایمان کو اب بھی کچھ تشویش تھی

ارے ڈاڈر گاؤں ہے، ہو سکتا ہے وہاں نمبر نہ لگتے ہوں۔ سگنل نہ ہوں۔ اماں نے آنسوں صاف کیئے۔

کیا ڈاڈر بالکل گاؤں جیسا ہے، جہاں گیس، موبائل، لائٹ کچھ بھی نہیں ہے۔ ایمان تجسس سے پوچھنے لگی

ناولز کلب
Club of Quality Content!

ہاں۔پہلے تو ایسا ہی تھا اب کا پتا نہیں۔شاید اب بھی ایسا ہی ہو گا۔میں تو شادی کے بعد بس ایک دفعہ ہی گئی تھی۔

گل کے ماں باپ بھی ڈاڈڑ سے ہیں نہ ؟ایمان نے سوال کیا اور ایک پل کیلئے صبیحہ تھم سی گئی۔ انہوں نے گہری سانس بھری۔"ہاں اس کی ماں کلثوم اور باپ ابرار دونوں ڈاڈر سے ہیں"

آپ انہیں کیسے جانتی ہیں؟

صبیحہ نے نظریں اٹھا کر ایمان کو دیکھا۔ان نظروں میں کیا کچھ نہیں تھا۔محرومی،بے بسی، حسد،رشک،سب رنگ جیسے ایک ساتھ مل گئے ہوں۔"کلثوم کے پاس وہ تھا جسے میں کبھی حاصل نہیں کر پائی۔میں نے سالوں سال قربان کیئے،خود کو قربان کیا،لیکن پھر بھی میں وہ مقام حاصل نہیں کر پائی۔"

کیا مطلب اماں۔کیا چیز؟وہ الجھ کر پوچھنے لگی

اماں نے گردن جھکائی اپنی خالی ہتھیلیوں کو دیکھا۔"محبت۔۔۔۔اختر کی محبت.."

کیا اماں۔ابا انہیں پسند کرتے تھے؟کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ایمان پر حیرانیوں کی انتہا تھی

میرے نکاح کے بعد بھی میں دو سالوں تک اپنے باپ کے گھر بیٹھی رہی۔ کیونکہ میرہ شوہر مجھے لے جانے کو تیار نہیں تھا۔اور دو سالوں بعد لینے آیا۔ لیکن اس کے بعد بھی وہ ہر دوسرے ہفتے مجھے اپنے باپ کے گھر چھوڑ جاتااور میں مہینوں بیٹھی انتظار کرتی رہتی۔ وہ جس رنج سے کہہ رہی تھی۔ ایمان کے دل کو کچھ ہوا۔اس نے کبھی اپنی ماں کو یوں ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھا تھا

تمھارے اور فیروز کے پیدا ہونے کے بعد بھی وہ ویسے ہی تھے۔ تم سے بھی ان کا لگاؤ بہت کم تھا۔ پھر ایک دن میں تم دونوں کے ساتھ اپنے بابا کے گھر پر تھی جب وہ اچانک سے آئے۔ ان کے چہرے کی خوشی۔ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ انہوں نے میرہ ماتھا چوما۔ مجھ سے ہر چیز کی معافی مانگی۔اور مجھے گھر لے آئے۔ تب ہم اس گھر میں نہیں رہتے تھے۔ میں خوش تھی کہ سب ٹھیک ہو گیا ہے۔ لیکن۔۔۔۔ لیکن دو دنوں بعد حفیظ کی بیٹی ایک حادثے میں مر گئی اور اسے ایک اور بچی بھی مل جاتی ہے جس کے ماں باپ کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔

کیا مطلب گل سے پہلے ان کی ایک بیٹی تھی۔ ایمان حیرت زدہ آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی۔ یہ لوگ کتنے راز رکھتے ہیں۔

اختد کی خوشی، حفیظ کی بیٹی کی موت اور ایک اور بچی کا اچانک ملنا۔ اور اس کے بعد ان کا اپنے پرانے دوست ابرار سے واپسی دوستی کرنا، ہارون کا بار بار یہاں آنا یہ سب چیزیں مجھے عجیب لگی لیکن میں کچھ بول نہیں سکی، شوہر کی محبت کی بھوک نے مجھے چپ کروادیا۔ وہ اپنی محبوبہ کے شوہر کے ساتھ پتا نہیں کہاں کہاں کی خاک چھانتا رہتا، لیکن میرے سوال پوچھنے پر اس کے دو میٹھے بول مجھے خاموش کروادیتے تھے۔ عورت کو محبت کی اتنی بھوک نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ صحیح غلط کا فرق بھول جائے۔

انہوں نے گہری سانس بھری اور ایک نظر آسمان کو دیکھا اور پھر ایمان کو۔ کلثوم تمھارے ابا کی رشتے دار ہیں۔ ہم جلد ہی ڈاڈر چلیں گیں، اور پھر سارے راز کھل جائیں گیں۔

ابا نے جو کیا انہیں اس کی سزہ ملنی چاہیئے اماں۔ انہوں نے گل اور اس کے خاندان والوں کے ساتھ غلط کیا۔ ایمان کانپتی آواز میں بولی۔

بکواز نہیں کرو، وہ جیسے بھی ہیں ہمارے سرپرست ہیں۔ اماں ڈانٹ کر اٹھنے لگی

سرپرست کے کندھوں پر اگر گناہوں کا بوجھ ہو تو وہ دوسروں کیلیئے عذاب بن جاتا ہے۔ اس کے لہجے میں کرب آٹھرہ۔ اور میں نہیں چاہتی کہ میں کسی ناکردہ گناہ کی سزہ بھگتوں۔

چپ کرو، زیادہ بک بک نہیں کرو اب۔اور ساحل کو کال لگاتی رہنا بات کرے تو مجھے دینا۔
آج تو خوب خبر لوں گی میں اس کی، ماں کی کوئی یاد ہی نہیں ہے۔وہ بڑبڑاتے ہوئے اندر
جانے لگی۔

پیچھے ایک بیٹی رہ گئی، جو اپنے باپ کے سیاہ باب سے آشنا ہوئی تھی۔اور یہ باب بہت ہی
خوفناک تھا

★★★____

ماضی۔

چائے کے ڈھابے سے نکل کر وہ سامنے بنے ایک پی سی او میں گیا۔نمبر ڈائل کر کے اب وہ
کال کے ریسیو ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔اس نے سامنے سے حفیظ کو بائیک پر بیٹھتے اور جاتے
دیکھا۔

ہاں کون ؟کال اٹھالی گئی اور سامنے والا بے دلی سے بولا

میں ہارون بات کر رہا ہوں اختر۔

ہاں ہارون بولو۔سامنے والا محتاط ہوا۔حفیظ مانا ابرار کی بیٹی کو مارنے کیلئے۔

ہاں مان گیا۔لیکن تم خود کیوں نہیں کہتے اسے یہ کام کرنے کو، تمھارہ سالہ تمھارے کہنے پر نہیں کرے گا کیا؟وہ کچھ غصے بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

میں اس وقت سامنے نہیں آنا چاہتا۔حفیظ ایک سیکنڈ نہیں لگائے گا پکڑے جانے پر میرہ نام بولنے پر۔اور ابھی میں ابرار کے سامنے بے نقاب نہیں ہونا چاہتا۔ابھی تو اسے مکمل برباد کرنا ہے۔

بھاڑ میں جاؤ تم اور تمھارہ انتقام۔ہارون نے جبڑے بھینچ کر کہا۔لیکن یاد رکھنا اگر اس سب کی وجہ سے میرے نئے کاروبار پر کوئی اثر پڑہ تو ٹھیک نہیں ہو گا۔

ہاں ہاں تمھارے نئے کاروبار کو کچھ نہیں ہو گا۔وہ تو ویسے ہی غیر قانونی ہے۔یاد رکھنا غیر ملک میں ہتھیار بیچنے پر پکڑے جاؤ۔۔۔اس کی بات بیچ میں ہی تھی کہ ہارون نے بٹکنے کے انداز میں فون واپس ڈائل پیڈ پر رکھا۔

سالہ مکار کہی کا۔ایک عورت کو تو حاصل کر نہیں سکا اور اب مجھے سیکھا رہا ہے۔۔ہو نہہنہ وہ بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا

___★★★

مانسہرہ.. یہ شہر بشر میر کو راس نہیں آیا تھا۔اس شہر نے بشر سے اس کی محبوب شخصیت چھینی تھی۔اس شہر نے بشر میر سے اس کی ایک ماں چھینی تھی۔ایک ایسی ماں جس سے خون کا نہیں احساس کا رشتہ تھا۔وہ ماں بشر میر کیلیئے ایک دوست بھی تھی ایک غمخوار بھی۔ صحیح راہ دیکھانے والی بھی۔اور سب سے زیادہ وہ بشر کی آئیڈیل تھی اسے بیوی چاہیئے تھی تو ان کے جیسی۔

میرہ......وہ سات سال کا بچہ چھت پر کھڑہ چلا رہا تھا۔اس کی فیورٹ چچی میرہ آج ایک کام سے ملک سے باہر جا رہی تھی۔

گہرے سبز رنگ کا پرنٹڈ جوڑہ پہنے۔پیڑوں میں اونچی سیاہ ہیلز۔نکھری رنگت،کتھئی رنگ کی چھوٹی آنکھیں خوبصورت نقوش والی وہ ستائیس سالہ عورت حسین عورتوں میں سے ایک تھی۔اس کے بال نوڈلز جیسے تھے۔انہیں بالوں کو آدھے کیچر میں قید کیئے دو لٹیں آگے سے نکلی ہوئی تھی۔وہ ہمیشہ کی طرح حسین لگ رہی تھی۔

بشر کی پکار پر اس نے اوپر کی جانب دیکھا۔وہ ہاتھ ہلا رہا تھا۔"میں تمھارہ انتظار کروں گا" میرا نے مسکراتے ہوئے سر کو خم دیا۔ساتھ کھڑے قاسم نے برہ سامنہ بنایا۔"یہ نہیں میں تمھارہ انتظار کروں گا۔"وہ جل کر بولے۔میرہ ہنس دی۔میسم کا خیال رکھنا۔وہ گاڑی میں بیٹھی۔اور اپنا بھی۔

قاسم کھلے دل سے مسکرائے۔جو حکم مادام۔

انہوں نے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ چھت پر کھڑے بشر کی آنکھوں میں ایک پل کیلئے آنسوں آئے لیکن پھر وہ مسکرایا وہ جلدی آجائیں گیں۔وہ خوشی خوشی کہتا دوڑ کر نیچے جانے لگا

دوسرے منظر میں ایک دس سالہ بچہ سہما سا پلنگ کے کونے میں بیٹھا گھٹنے سینے سے لگائے۔ وہ کمزور بھی لگ رہا تھا

تبھی میرا دروازہ کھول کر اندر آئی۔ہاتھ میں کھانے کی پلیٹ تھی۔ کیا ہوا ہے بشر بیٹا کھانا کھالو۔

وہ ہنوز سر جھکائے ہوئے تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

میرہ نے ایک طرف کھانے کی پلیٹ رکھی۔اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ کیا ہوا ہے بشر۔

بشر کچھ نہیں بولا۔اور تھوڑی دیر بعد وہ اس کے سینے سے لگ کر سسکیوں سے رو رہا تھا۔

سب کہتے ہیں گلریز نہیں ملے گی وہ مر گئی ہو گی۔

میرا نے نرمی سے اس کے گرد بازو حائل کیئے۔وہ مل جائے گی میں اسے ڈھونڈھ لوں گی۔ تم فکر مت کرو۔

بشر اس سے اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا۔وہ اسی سے تو سب کچھ کہتا تھا۔وہ اس کے ساتھ بیٹھ جاتی تھی رولیتی تھی۔وہ بھی بشر کے سامنے اپنے دکھ سکھ کھول کرر کھ دیتی تھی۔وہ چھوٹا سا بشر اس کا اچھا دوست تھا۔اور غمخوار بھی۔

حال میں گاڑی میں بیٹھے۔وہ اس شہر کو جتنا برہ کہتا اتنا کم تھا۔اس نے آنکھیں میچ کر کھولیں۔ آنکھوں کے کنارے سے آنسوں صاف کیئے۔کاش ہم ماضی کو پلٹ سکتے۔۔۔۔

★★★___

وہ احمد میر (ابرار کے باپ) کے چچازاد مشتاق کی بیٹی تھی۔جو کراچی میں قیام پذیر تھے۔میرہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔وہ اٹھارہ سال کی تھی جب باپ کینسر کے آخری اسٹیج پر تھا۔ اور ماں کو مجبوراگھروں کے کام کرنے پڑتے۔باپ کی پینشن سے بامشکل اس کی پڑھائی اور ان کی دوائیوں کا خرچہ ادا ہوتا تھا۔احمد میر ان دنوں کام کے سلسلے میں کراچی آئے۔اورانہیں اپنے چچازاد بھائی کی بیماری کا پتا چلا۔ان کی آمد نے مشتاق میر کیلیئے امرت کا کام کیا۔

سالوں پہلے بڑوں کے جھگڑے نے ان کے خاندان میں درار ڈال دی تھی۔اپنی زمینیں لے کر مشتاق کا باپ الگ ہو گیا اور چند ہی سالوں میں ساری جائیداد ایاشیوں میں لٹادی۔بچی کچی جائیداد مشتاق میر کی بیماری پر خرچ ہو گئی۔اور اب تو ڈاکٹرز نے بھی جواب دے دیا تھا۔

سالہا سال رابطے کے ختم ہونے کے بعد بھی خون کی کشش احمد میر کو مشتاق میر کے گھر کی دہلیز تک لے آئی۔ان کے ساتھ ابرار تھے۔

میں تمھارہ جتنا شکریہ ادا کروں اتنا کم ہے احمد۔۔۔۔ تکیوں کے سہارے بیٹھے۔لمبے لمبے سانس بھرتے کہہ رہے تھے۔وہ بے حد کمزور تھے۔رنگت سانولی ہو چکی تھی لیکن پھر بھی چہرے پر ایک چمک تھی۔اور آنکھوں میں سکون

بس اب ہمارہ ایک بوجھ ہلکا کر دو گے تو مجھ پر تمھارہ احسان ہو گا۔وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیئے کہہ رہا تھا۔

ایک پل میں احمد ان کے لفاظ ڈی کوڈ کر چکے تھے۔میر اسے ملاقات نے ہی ان کے ذہن میں یہ خیال ڈال دیا تھا۔باپ اور بیٹے نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر وہ مشتاق کی جانب متوجہ ہوئے۔کہو مشتاق بے جھجک کہو۔ان کی حوالہ افزائی نے اس بوڑھے شخص کو کچھ ڈھارس دی

میری بیٹی کا قبول کر لو۔اپنے بیٹے کیلیئے۔انہوں نے کہہ کر ابرار کی جانب دیکھا۔جو حیران نہ ہوئے۔اس خوبرو اور حسین مرد کو ایسے رشتوں کی عادت تھی۔

احمد نے بھی ابرار کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرائے جیسے کہا ہو۔دوسری شادی کیلیئے تیار ہو نوجوان۔۔

ابرار نے گلا کھنکھارہ۔ میں چھبیس سال کا ہوں انکل اور وہ مجھ سے بہت چھوٹی ہے۔اور دوسری بات آپ کی اطلاع کیلیئے کہ میں شادی شدہ ہوں انکل۔اور بیٹا شدہ بھی۔ میرہ ایک بیٹا بھی ہے۔ میں جلد ہی ان کو آپ سے ملوانے لاؤں گا۔ مشتاق نے ہلکا سا سر کو خم دیا۔انشاء اللہ بیٹا

تم فکر نہ کرو۔ میرہ آخری بیٹا ابھی بھی ہمارے سروں پر مسلط ہے۔احمد کہہ رہے تھے۔اس کا نام قاسم ہے۔ تم کہو تو۔

مجھے قبول ہے۔ وہ ایکدم سے بولے۔ان کا بس ہوتا تو خوشی سے چھلانگیں مارتے

بہتر ہوگا اپنی بیٹی سے ایک بار پوچھ لو۔ پھر ہمیں بتانا۔

اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ اب دوبارہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے۔اب کہ وہ پر سکون تھے

تم لوگ چائے پیو۔اور بتاؤ کب آؤ گے نکاح کیلیئے۔

بہت جلد۔احمد نے مسکرا کر کہا۔انہیں اعتماد تھا کہ ان کا بیٹا انکار نہیں کرے گا۔اور اس بوڑھے شخص کو بھی یقین تھا کہ اس کی بیٹی اب خوش رہے گی۔۔

"آپ کو کیا ضرورت تھی ان میروں کے سامنے میرے رشتے کی بھیک مانگنے کی"

مہمان چلے گئے۔اور اب میرا کا دبایا ہوا غصہ نکل رہا تھا۔اتنے سالوں تک پلٹ کر خبر بھی نہیں لی کہ پتا نہیں زندہ بھی ہیں کہ نہیں۔اور اب آ گئے ہیں اچانک رشتے داری جوڑنے۔وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔بے بسی سی بے بسی تھی آہ

اس کے ماں باپ دونوں بیڈ پر بیٹھے۔ہونٹ بھینچے اپنی مسکراہٹ چھپانے میں لگے تھے۔وہ جانتے تھے یہ چلائے گی،ایک دو چیزیں توڑے گی لیکن پھر اسے مان جانا ہے۔آہاں ماں باپ کی خوش فہمی

ادھر آ جا میرہ شیر بیٹا۔مشتاق نے پیار سے اپنا بازو پھیلا کر اسے بلایا

مجھے نہیں آنا۔اور نہ ہی مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔وہ حلق کے بل چلائی۔اور وہاں سے چلی گئی۔پیچھے وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مارے ہنس دیئے۔انہیں میرا کو تپانے میں مزہ آتا تھا۔تبھی ایک زناٹے دار تھپڑ کی آواز گونجی۔مس میں نے کیا کیا۔۔۔وہ بے چارہ بچہ،اس کا قصور یہ تھا کہ وہ آج کے دن مس میرہ کے پاس ٹیوشن پڑھنے آیا تھا۔

دفع ہو یہاں سے ابھی کے ابھی۔وہ چلائی۔اور وہ بچہ چلا گیا۔

اس نے ایک کاٹدار نگاھ ابا اور اماں کے کمرے پر ڈالی۔اور پھر وہاں سے چلی گئی۔

★★★

"بھائی صاحب مشتاق کا انتقال ہو گیا"

الفاظ تھے کہ قیامت کا صور احمد میر کو اپنے چاروں طرف کھڑی دیواریں گھومتی ہوئی نظر آئی۔ ابھی کل ہی تو وہ اس سے مل کر آئے تھے اور آج۔۔۔

دن ڈھل چکا تھا اور شام عنقریب تھی۔ وہ دونوں باپ بیٹے اس مٹیالی دیواروں والے گھر میں موجود تھے۔ سفید چاندنیوں پر عورتیں بیٹھی تھی، کوئی رو رہی تھی، کوئی کچھ پڑھ رہی تھی، اور وہ دو عورتیں میت کے سرہانے بیٹھی تھی۔ جن کی دنیا تباہ ہو گئی تھی۔ جن کے سائبان کی چھت ان سے چھین لی گئی تھی۔ جن کیلیئے دنیا کی ہر خوشی لانے والا فرشتہ اب خاموش ہو گیا تھا۔ وہ جو ساری دنیا سے ان کی حفاظت کرتا تھا آج چادر اوڑھے بے فکر سویا تھا ان دونوں کو اس دنیا میں اکیلا چھوڑے اب ان کا سائبان چل بسا تھا۔ اب کوئی شفقت ویسی نہیں ہو گی۔ کوئی محبت اس کی محبت کو بھر نہیں سکتا۔ کوئی اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ کوئی اس گھاؤ پر مرہم نہیں رکھ سکتا۔ کوئی بھی اس کی طرح اب میرا کیلیئے دنیا سے نہیں لڑ سکتا تھا۔ کوئی بھی نہیں۔ مردوں پر وہ ویسے ہی بھروسہ نہیں کرتی تھی۔ وہ ایک واحد مرد تھا جو قابل یقین تھا۔ قابل محبت تھا۔ اور آج وہ چلا گیا تھا۔ وہ کیوں گیا۔ وہ خاموش سی اپنے باپ کے پیروں کی طرف سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ دماغ کئی طرح کے جوڑ توڑ کرنے میں مصروف تھا۔ دل کئی بار خود پر ملامتیں کرتا۔ ابا نے مجھے بلایا تھا اور میں نہیں گئی۔۔۔ وہ آخری رات۔ وہ اپنے باپ کے پاس نہیں تھی۔ نہیں معلوم اسے کتنی تکلیف ہوئی ہو گئی۔ نہیں معلوم وہ کتنا تڑپا ہو گا۔

اس نے میرہ کو بلایا ہو گا۔ لیکن میرہ نہیں تھی۔ میرہ ناراض تھی۔ میرہ ابا کے پاس نہیں تھی۔۔۔۔ وہ اپنے آپ سے جنگ کرنے میں مصروف تھی۔ جب کسی کا شفقت بھرہ ہاتھ اس نے اپنے سر پر محسوس کیا۔

"وقت ہو گیا ہے بیٹا۔ اب انہیں لے جانا ہو گا" وہ احمد تھے۔

اس نے اپنی سرخ متورم آنکھیں اٹھا کر انہیں کو دیکھا۔ چند پل یونہی دیکھنے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اپنی ماں کے قریب گئی انہیں سینے سے لگالیا۔ صبر کریں اماں۔۔ صبر کریں۔۔ وہ خود پر ضبط بیٹھائے اپنی ماں کو دلاسے دینے لگی۔ جو صبر خود سے نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اسے اپنی ماں کو کرنے کا کہہ رہی تھی۔

لمحوں کا کھیل تھا اور چند لوگ جن میں سے کچھ کو وہ پہچانتی تھی اور کچھ کو نہیں۔ وہ لوگ اس کے باپ کو مٹی تلے دفنا آئے۔ اور پھر دنیا ویسی ہو گئی جیسے پہلی تھی۔ لیکن میر امشتاق کیلئے اس کا سب سے بڑہ نقصان تھا۔ اور کل رات کا پچھتاوہ۔۔ وہ تو اب ساری زندگی ساتھ رہنے والا تھا۔

مغرب کے بعد۔ سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ لیکن چند لوگ تھے جو اب بھی ان ماں بیٹی کو تنہا چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ احمد میر اور ان کا خاندان۔

وہ اونچے محلوں کے رہنے والے۔ایئر کنڈیشن کے عادی لوگ اس آگ برساتی گرمی میں، ان کے ٹوٹے پھوٹے مکان میں ایسے بیٹھے تھے جیسے انہیں کوئی فرق ہی نہ پڑ رہا ہوں۔

میرا کو کبھی اپنے حالات، اپنے گھر پر شرمندگی نہیں ہوئی۔لیکن آج ان لوگوں کو یوں گرمی میں جلتا دیکھ اسے اپنا آپ شرمناک لگا تھا۔

آپ لوگوں کے آنے کا بہت شکریہ۔لیکن میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کو مزید کوئی تکلیف پہنچے۔

وہ سب لوگ کھلے سہن میں چارپائیوں پر بیٹھے تھے۔دن کی تپش کے بعد رات کو ہلکی ہلکی ہوا کے جھوکے چلے تھے۔اماں عدد کی وجہ سے اندر تھی۔ابھی ان کا کسی مرد سے ملنا ممنوع تھا۔ جب تک وہ چار ماہ دس دن تک اپنی عدد نہ پوری کر لیں۔

شکریہ کی کیا بات ہے بیٹا۔ ہم ایک خاندان ہیں۔اور خاندان تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔سوئے ہوئے حسن کو ابرار کی گود میں دیتے ہوئے کلثوم بولی۔

احمد میر بھی وہی بیٹھے تھے۔ابرار حسن کو اندر کمرے میں حسنہ کے حوالے کر آئے۔اور احمد کے ساتھ آبیٹھے

آپ لوگ چاہیں تو کسی ہوٹل میں رہ سکتے ہیں۔یہاں پر خوامخواہ آپ کو گرمی کی وجہ سے۔۔۔۔۔۔وہ بولتے بولتے رکی۔اسے شرمندگی بھی ہو رہی تھی۔لیکن وہ نہیں چاہتی تھی کہ انہیں دلاسہ دینے کیلیئے وہ لوگ یہ گرمی برداشت کریں۔

صاف صاف بولو کہ ہم لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ابرار خفگی سے بولے

نہیں۔۔میرہ یہ مطلب نہیں تھا۔

تو پھر رہنے دو۔۔یہ گرمیاں کوئی بڑی بات نہیں ہیں بیٹا۔وہ نرمی سے بولے۔

میرہ گہری سانس بھرتی رہ گئی۔

تمھاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے۔کیا پڑھ رہی ہو۔کلثوم پوچھنے لگی۔

مین سوشلوجی۔۔

اچھا ماشاءاللہ۔وہ ان سے ہلکی پھلکی باتیں کرنے لگی۔

★★★___

تین دنوں بعد وہ سب لوگ اسلام آباد واپس چلے آئے۔اور ان کے ہزار کہنے کے بعد بھی میرا ان کے ساتھ نہ آئی وہ دونوں ماں بیٹی بضد تھی کہ عدد ختم ہونے تک وہ یہی رہے گیں اور اسی درمیان میرہ کے پیپرز بھی تھے۔ابرار اور احمد ہر ہفتے چکر لگاتے رہتے تھے۔

اور بالآخر عدد ختم ہونے پر انہے اسلام آباد بلا لیا گیا۔ میرا نے لاکھ انکار کیئے۔ لیکن اس کی ماں بھی یہی چاہتی تھی کہ وہ دونوں محفوظ ہاتھوں میں ہوں۔

اسلام آباد آئے ہوئے انہیں چھ ماہ ہو چکے تھے۔ میرا کا ایڈمیشن وہاں کی یونیورسٹی میں کروایا گیا۔ وہ بہت جلد سب سے گھل مل گئی تھی۔ بچوں کی فیورٹ بھی بن گئی تھی۔ لیکن واحد شخص جس سے اس کی کم بات ہوتی تھی وہ قاسم تھا۔ وہ خود بھی پرہیز کرتا تھا۔

"بھابھی مجھے لگتا ہے کہ ہمیں بچوں کا نکاح کروا دینا چاہیئے۔" لون میں چائے پیتے وقت سب لوگ ساتھ بیٹھے تھے جب احمد نے یہ بات چھیڑی۔ میرا وہاں نہیں تھی۔ البتہ قاسم وہی تھے۔ اور اس بات پر ان کے کان کی لوح تک سرخ ہوئی۔ لب بھینچے بامشکل خود کو سنجیدہ رکھے ہوئے تھے۔

Clubb of Quality Content

چائے پیتے ہوئے کنول (میرا کی ماں) نے ایک نظر قاسم کو دیکھا۔ "جی بھائی۔ میں بس میرا سے پوچھ کر آپ کو جواب دوں گیں۔ وہ کچھ جھجھک کر بولی۔ احمد کو انکار کرنا نہیں اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ لیکن میرا کی زبان کا بھی انہیں علم تھا۔ اس کی مرضی کے بغیر کچھ ہوا تو وہ آسمان سر پر اٹھا دے گی۔ اور اس رشتے سے تو وہ ویسے بھی راضی نہیں تھی۔

احمد نے محض سر کو خم دیا۔

★★★

سورج غروب ہونے کو آیا تھا۔اور میرا اب جاکر کہی گھر آئی تھی۔اماں کی تو تپ چڑی ہوئی تھی۔

اپنے کمرے میں بیٹھی وہ کھانا کھا رہی تھی۔اور جب تک میرا نے کھانا ختم نہیں کیا اماں نے ایک پل بھی اس پر سے نظریں نہیں ہٹائیں تھیں

وہ کھانا کھا کر ہاتھ دھو کر صوفے پر ان کے ساتھ آ بیٹھی۔

کیا ہو گیا ہے میری پیاری اماں۔کیوں خفا ہو رہی ہیں۔وہ ان کا بازو پکڑ کر ان کے کندھے پر سر رکھ کر لاڈ سے بولی

ناولز کلب
Club of Quality Content

اماں کا غصہ کسی جھاگ کی طرح بیٹھا تھا۔کیوں ڈھونڈھ رہی ہو نوکری بیٹا۔ابھی اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔وہ فکر مند سی بولی

میرا کے چہرے نے ایک دم رنگ بدلا۔ہم ساری عمر احمد چچا اور ان کے بیٹوں کے رحم و کرم پر تو نہیں پل سکتے نہ اماں۔

وہ تمھارہ نکاح کروانا چاہتے ہیں میرا۔میرا نے آنکھیں میچ کر کھولی۔البتہ ان میں کوئی تاثر کوئی جذبہ نہیں تھا۔اس کی کتھئ آنکھیں بالکل ویران تھیں۔

ہمارے سر پر کوئی سائبان نہیں ہے بیٹا۔اماں اس سے نرمی سے کہہ رہی تھیں اور وہ چپ چاپ سن رہی تھی۔اگر مجھے کچھ ہو گیا تو تمھارہ کیا ہو گا۔اس سے اچھا ہے بیٹا کہ تم نکاح کرلو۔قاسم اچھا لڑکا ہے۔مجھے تو بہت پسند ہے۔اور تمھارے ابا کو بھی تو پسند تھا نہ وہ۔

میرا نے ان کے کندھے سے سر اٹھا لیا اور سیدھی ہو بیٹھی۔جو ان کی مرضی اماں۔وہ بس اتنا بولی

تو توں راضی ہے تجھے کوئی اعتراض نہیں۔اس بوڑھی ماں کی آنکھوں میں چمک در آئی۔

میرا ہلکا سا مسکرائی اور معض گردن نفی میں ہلائی۔"جن بیٹیوں کے باپ مر جائے ان سے اعتراض کا حق چھین لیا جاتا ہے۔" وہ کہنا چاہتی تھی لیکن کہہ نہ سکی

اماں نے پیار سے اس کا ماتھا چوما۔میں ابھی بھائی صاحب کو اور کلثوم کو کہتی ہوں وہ تیاریاں شروع کریں۔وہ کہہ کر چلی گئی۔

میرا نے اٹھ کر لائٹ آف کر دی اور اپنے بیڈ پر آ گری۔سماعتوں میں ایک آواز گونجی۔
"کر لے بیٹا باپ کو تنگ کر لے جب میں مر جاؤں گا تو پتا چلے گا تمہیں"اس کی آنکھ سے ایک آنسوں نکل کر کنپٹی میں جذب ہوا۔اسے آج بھی وہ آخری رات از بر تھی۔اور وہ پکار

اس کے باپ کی وہ آخری پکار آج بھی اس کے کانوں میں گونجتی تھی۔ وہ کیوں نہیں گئی؟؟ کئی بے آواز آنسوں نکلے۔ دل کے ٹکڑے ہوئے لیکن خیر......!

★★★____

سات مارچ یہ قاسم اور میرا کے نکاح کی پہلی رات تھی۔ وہ اس کے کمرے میں اس کی دلہن بنی بیٹھی تھی۔ قاسم میر کو یہ سب کسی خواب سا لگتا تھا۔ وہ بار بار خود کو سمجھانا چاہتا کہ یہ سب سچ ہے لیکن کمبخت دل یہ یقین کرنے کو تیار ہی نہیں تھا کہ وہ لڑکی جو اسے پہلی نظر میں اچھی لگی تھی اور اتنے ماہ وہ جسے چھپ چھپ کر دیکھتا رہتا تھا۔ آج وہ لڑکی اس کی دلہن تھی۔

آج قاسم میر کی زندگی مکمل ہوئی تھی۔ آج اگر اس سے کوئی اس کی سلطنت بھی مانگتا تو قاسم میر اسے اپنی نئی نویلی بیوی کے سر کا صدیقہ کر دیتا۔

وہ کمرے میں آئے تو میرا اسے کئی نہ دکھی۔ آس پاس نظر گھمانے پر وہ بالکنی میں کھڑی ہوئی پائی گئی۔ وہ گلا کھنکھارتے مسکراتے ہوئے اس کی اوٹ میں آ کھڑے ہوئے۔

"کہتے ہیں نئی دلہنوں کو یوں کھلی جگہوں پر کھڑہ نہیں ہونا چاہیئے ورنہ انہیں جن بھوت چمٹ جاتے ہیں۔" وہ کہتے ہوئے ریلنگ سے ٹیک لگا کر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے

سامنے کھڑی میرون رنگ کا کامدار جوڑہ پہنے ساتھ بھاری بھر کم جیولری اور ہلکا میک اپ کیئے وہ بس قاسم کی دلہن لگ رہی تھی۔اور قاسم کئی صدیوں تک یونہی کھڑا اس منظر کو دیکھنا چاہتا تھا۔

چڑیل کو جن بھوت نہیں چمٹتے قاسم صاحب۔وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولی۔اس نے ایک بار بھی اپنے دلہے کو نہیں دیکھا تھا۔وہ اسے دیکھتی ہی کب تھی

"چڑیلیں اتنی خوبصورت ہوتی ہیں مجھے اندازہ نہیں تھا۔"

اس کی بات پر میرا نے بے اختیار نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔اسے اپنی تعریف کا یہ طریقہ پسند آیا تھا۔اور پھر وہ ہلکا سا ہنسی۔اور یہ نظریہ ہنسنا قاسم میر مر کر زندہ ہوا تھا۔اس کی پوری زندگی اس لمحے میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔یہ لمحہ سب سے خوبصورت لمحہ تھا اس نے اقرار کیا۔اور پھر نظریں جھکالی۔وہ بھی ہلکا سا مسکرایا پھر ہنسا اور پھر وہ ہنستا ہی گیا۔

کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے تمھارے ساتھ۔وہ چپ ہوا تو میرا بولی

"میرہ ہر مسئلہ اور اس کا حل صرف تم ہو۔میرا قاسم میر.."

میرا کے گال سرخ ہوئے۔اس نے نظریں جھکا لیں۔آہ وہ منہ پھٹ اور بدزبان لڑکی شرما رہی تھی

"لو ہو گیا بیڑہ غرق ہمارہ۔اس کے انداز پر قاسم بولا۔اور وہ جو باقی بچی کچی سانسیں ہیں وہ اب آپ کے شرمانے کی نظر ہو جائیں گیں۔"

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ قاسم اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا۔اور وہ مسکرا کر اس کی باتوں کا جواب دے رہی تھی۔آنکھوں کی ویرانی کئی دور جا سوئی اب تو ان آنکھوں میں کئی رنگ تھے۔ نئی زندگی کی امید تھی۔اور کسی کے ساتھ کا مان بھی۔

★★★____

Clubb of Quality Content

جاری ہے۔۔

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

Clubb of Quality Content!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842